کاروان

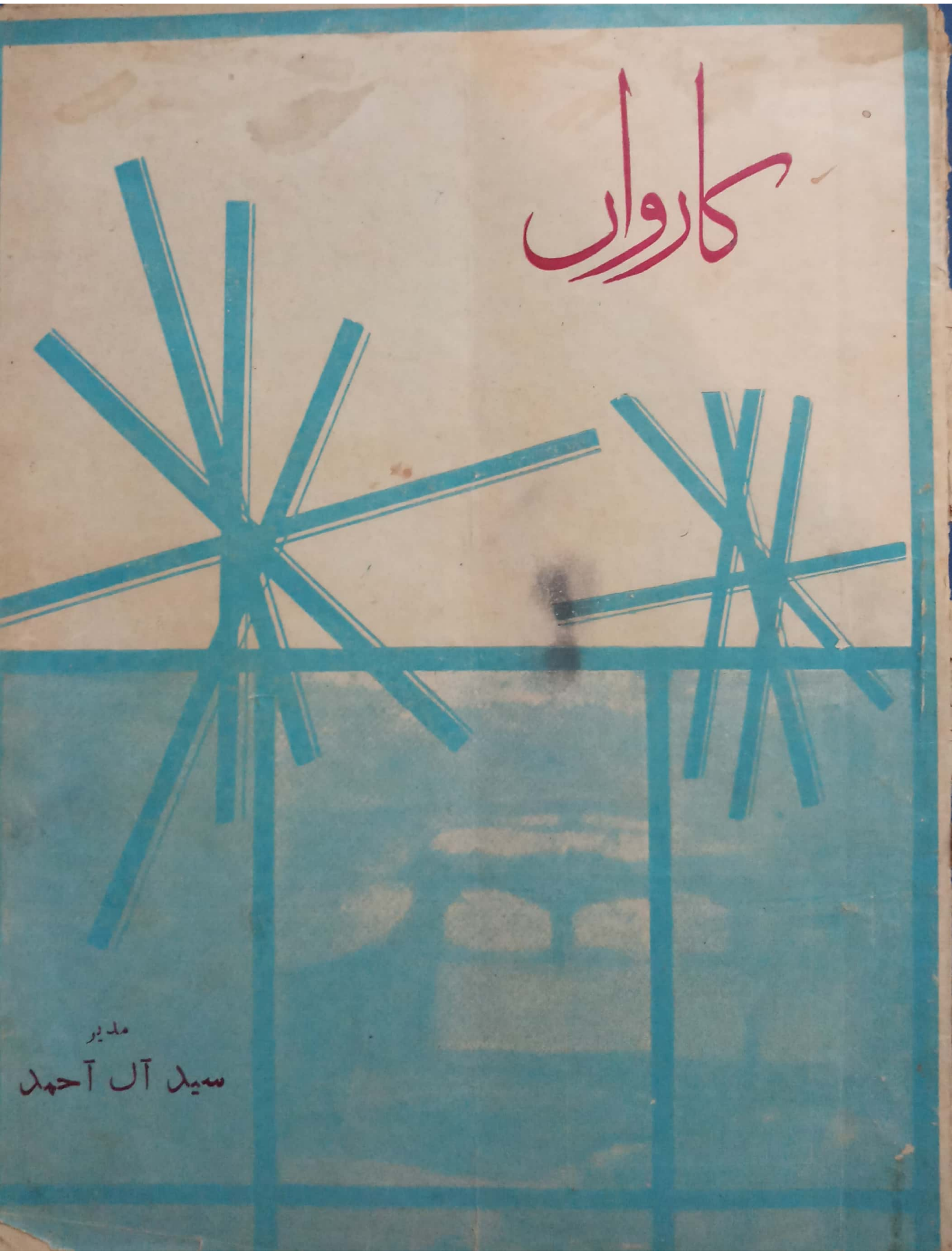

مدیر

سید آل احمد

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

سلیم اختر

←

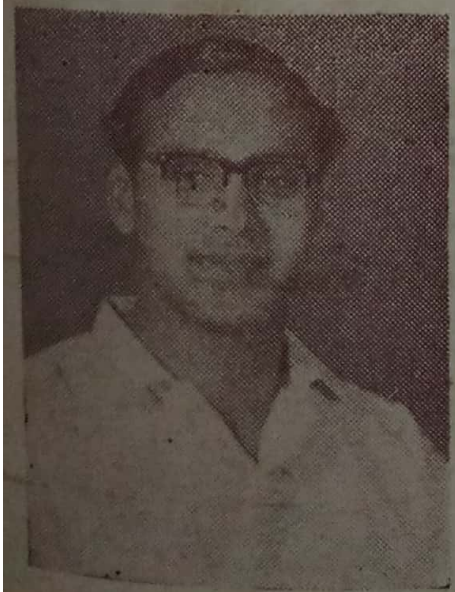

عابد صدیق

←

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

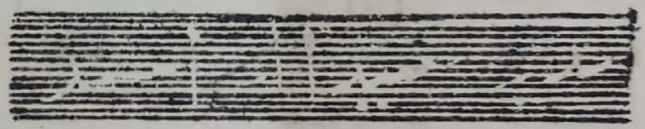

جلد ——— ۲۳
شمارہ ——— ۹

زرسالانہ معہ نمبر
دس روپیہ

فی پرچہ
۷۵ پیسے

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

رجسٹرڈ نمبر ایل ۶۰۵۹
ستمبر ۱۹۶۸ء

فہرست

صفحہ
اداریہ ——— مدیر ۳

مضامین

کیا خلاء کی تسخیر انسانیت کی معراج ہے (عبدالحمید ارشد) ۵
سلیم اختر کی افسانہ نگاری ریاض زیدی ۸

نظمیں

ویت نام — پیکر واسطی ۱۵
المیہ — سہیل اختر ۱۶
سائنٹسٹ — اختر علی منیر ۱۷
خوابِ گفتگو — سید محمود جعفری ۱۸
مردم گزیدہ — محمود احمد ناظر ۱۹
حکایتِ آں شب — اشفاق برنی ۲۰
امید کی لو — صدیق طاہر ۲۱
وطن — ارشاد متین ۲۲

افسانے

مچھر — سلیم اختر ۲۳
جاگتی گندم — نجم الحسن رضوی ۲۶
عام آدمی — عابد صدیق ۳۱
کنک بہتی رہی — شکور رانا ۳۴

صفحہ
چاند کا داغ — روف رونی ۴۷
ہے سنتھ کے پھول — اقبال خالد ۴۰

غزلیں

صفحہ
ظہور نظر ۴۷ — ادیب واثقی ۴۸
فرخ درانی ۴۹ — حسن اکبر کمال ۵۰
نکہت بریلوی ۵۱ — سید رحم شاہ ۵۲
نسیم انصاری ۵۳ — منور جمیل قریشی ۵۴
ارشاد سلیم شہزاد ۵۵ — نیاز حسین لکھویرا ۵۶
نواب خاں شمیم ۵۷ — احمد نعیم جامی ۵۸
منور عقیل احمد ۵۹

قطعات

رزم بزم — جمشید انجم برنی ۶۱
ہوس و تحقیر — رشید عثمانی
مرغ و ماہی — سردار اللہ ڈتہ لودھی ۶۲
قطعے — انیس قمر ۶۳

محی الدین شان پبلشر نے بہ اہتمام محمد عبید الرحمن پرنٹر عزیز المطابع بہاولپور میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ "کاروان" بہاولپور سے شائع کیا۔

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

اداریہ

"کارواں" آپکے سامنے ہے
آپ سوچتے ہوں گے،
تخلیقی کاوشوں کا یہ پیراہن، اتنا عرصہ، پسِ حدِ تسکینِ نظر، رہا،
—— کیوں رہا ——
دراصل،
حالات کی گرم دوپہر کا سورج، میری اور آپ کی پیاس کے راستہ کا صحرا بنا رہا۔
(ود میں،
اس تمام مدّت، تجسّس بھری الجھنوں کا سفر انتہائی صبر اور شوق کے ساتھ طے کرتا رہا۔
بالآخر،
"کارواں" مناسب حیثیت مواد کے ساتھ آپ کی خدمت میں موجود ہے ——
اسے آپ بھی گوارا کریں۔

کارواں کا زیرِ نظر شمارہ انتہائی افراتفری میں ترتیب و اشاعت کے مراحل سے گذارا ہے —— اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا حصّۂ نثر اور حصّۂ نظم آپ کی میزانِ نقد و نظر کے تنوع اور معیار کا حامل بھی ہے۔

بہرحال، یہ شمارہ، ضعیف، جوان اور نوجوان سبھی لکھنے والوں کی تخلیقات لئے ہے —— صرف اتنا خیال ضرور رکھا گیا ہے کہ بعض دوسرے ادبی اجارہ داروں کی طرح تازہ واردانِ بساطِ ادب کے ابھرتے حوصلوں کے قدموں میں زنجیر نہ ڈالی جائے۔

سچ بات ——
کڑوی ہو یا میٹھی،
—— ہوتی سچ ہی ہے

۸ ستمبر ۱۹۶۸ء

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

آج کے ترقی پذیر دور میں

حادثوں سے بچ رہنے کی کیا ضمانت ہے؟

آپ، پیدل ہوں یا سوار، سفر میں ہوں یا گھر پر، دفتر میں ہوں یا کارخانے میں، آپ ہر وقت حادثات کی زد میں ہیں ـــــ اور حادثے کے نتیجے میں صرف آپ اکیلے نہیں مرتے۔ آپ کا پورا خاندان اقتصادی موت مر جاتا ہے۔

زندگی کے بیمہ کی قدر و قیمت کا اندازہ وہ لوگ بخوبی لگا سکتے ہیں۔ جو بڑھاپے کی گذر اوقات، بچوں کی تعلیم اور شادیوں کے اخراجات کا پورا پورا ادراک رکھتے ہیں۔

یقیناً آپ کی دلی خواہش ہوگی۔ کہ آپ کے بچے بڑے ہو کر آرام و آسائش کی زندگی گزاریں۔ انہیں سوسائٹی میں اعلیٰ مقام حاصل ہو انہیں عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

اگر آپ بھی ایسا چاہتے ہیں تو **یونائیٹڈ انشورنس کمپنی** آپ کی یہ خواہش پوری کرنے میں آپ کی امید افزا مدد کر سکتی ہے۔

★ جب آپ اپنا بیمہ یونائیٹڈ انشورنس کمپنی سے کرواتے ہیں تو آپ اور آپ کا خاندان ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے ـــــ یعنی یونائیٹڈ انشورنس کمپنی میں بیمہ آپ کی خواہشات اور حفاظت کی کلی ضمانت ہے

آج ہی تفصیلی معلومات کیلئے یونائیٹڈ کی شاخوں یا نمائندگان سے رجوع کیجئے

ناظم حسین ملک
برانچ مینیجر

یونائیٹڈ انشورنس کمپنی
برانچ آفس
آف پاکستان لمیٹڈ

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

عبدالمجید ارشد

کیا خدا کی تسخیر انسانیت کی معراج ہے

ہم نے اس موضوع کا دروازہ ہر قاری پر خیالات کے اظہار کے لئے وا رکھنا مناسب سمجھا ہے۔ اگر آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں — تو آئندہ اشاعت میں اسے شریک کیا جائے گا — مدیر

اس سلسلہ میں دو باتیں قابلِ غور ہیں —
ایک ہے "انسان کی فتح" اور دوسری "انسانیت کی فتح"
ان دونوں کو علیحدہ علیحدہ رکھ کر تجزیہ کرنا ہوگا۔ کہ دراصل "انسان کی فتح" "انسانیت کی فتح" ہے یا نہیں

عبادت کے لئے فرشتے کافی تھے۔ اللہ تعالےٰ نے انسان کو دین اور دنیا دونوں کی ترقی کے لئے پیدا کیا، اس کو اتفاق طور پر باشعور کیا، اور اپنا بھلا برا سمجھنے کی توفیق عطا کی۔

انسان کبھی سمندر کی مخلوق تھا۔ پھر اس نے درختوں کو مسکن بنایا۔ درندوں کے خوف سے وہ پہاڑوں کی کھوہوں میں بسیرا کرنے پر مجبور ہوا۔ ذرا شعور ملا تو گھاس پھونس کی جھونپڑی بنائی۔ پتھر کے ہتھیار بنائے۔ اور اس کے ساتھ باقی لوازمات پیدا کئے۔ اور آہستہ آہستہ ترقی کرتے کرتے، ترقی یافتہ انسان کہلایا۔ جھونپڑوں سے اٹھ کر پکے گھروندوں میں آیا۔ پھر پختہ مکانات تعمیر کئے۔ اپنی زیب و زینت اور آسائش و آرائش کی طرف پوری طرح متوجہ ہوا۔

لیکن ابھی اسکی عقل کو اور وسعت کی ضرورت تھی اُس نے آسانی کیلئے بیل گاڑی۔ گھوڑا گاڑی وغیرہ ایجاد کی۔ جو ترقی پاکر ریل گاڑی اور موٹر گاڑی اور ہوائی جہاز میں تبدیل ہوئی۔ اور اب سپرسونک ایج میں آپہنچا ہے۔ لیکن ان

بقیہ عام آدمی

وغیرہ — پھر یوں ہوا کہ شیخ جمیل الدین صاحب گاہے گاہے بہاولپور جاتے رہے — امجد ٹافیاں کھاتا رہا — میں کبھی کبھی رات بھر جاگنے کے سبب کالج دیر سے پہونچنے لگا — پھر ایک عام سی افواہ محلّے میں پھیلی — اور میں نے عام بھلے آدمیوں کی طرح محلّہ چھوڑ دیا — اور ایک دوسرے محلے میں مکان لے کر رہنے لگا — !

(غیر مطبوعہ)

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

سب باتوں، آسانیوں اور ایجادات کے باوجود اسکے مسائل ابھی تک لاینحل ہیں۔

وہ صرف ابھی تک انسان ہے انسانیت جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ودیعت ہوئی تھی اب بھی اس میں پوری طرح موجود نہیں۔ وہ اب بھی حسد اور غصہ کا شکار ہے۔ وہ اب بھی جنگ و جدال کے ذریعہ اپنی مشکلات کا حل نکالتا ہے۔ وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے لئے بُرے طریقے بھی اختیار کر لیتا ہے۔ وہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی جب سعی کرتا ہے۔ تو اس کا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ ابھی وہ انسانیت سے اتنا ہی دور ہے جتنا کہ وہ ابتدا میں تھا۔ وہ مذہب کو کسی خاص ضرورت یا تعصب کے ماتحت اختیار کرتا ہے۔ ابھی اس نے خالق کی منشا کو نہیں سمجھا۔ ابھی اسکے جارحانہ اقدامات پوری شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ ابھی اس نے انسانیت کو اپنا مادی اور ملجا نہیں سمجھا۔

اسکی زندگی میں ذاتی منفعت بڑی حد تک جاری ساری ہے وہ اپنے بھائی کو بھوکا دیکھتا ہے لیکن بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کے لئے نوالہ چھوڑے، وہ خود اپنے منہ میں ڈال لیتا ہے اور اسکو منتہائے مقصد سمجھتا ہے ابھی وہ بیمار کو دیکھتا ہے تو اپنی تندرستی کی خیر مناتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے لئے قربانی اور ایثار کا وہ جذبہ جسکی ضرورت ہے۔ اپنے اندر نہیں پاتا۔

کیونکہ اسکو اپنی ذات کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔

وہ موٹر خریدتا ہے۔ تو صرف ذاتی مفاد کیلئے وہ کاروبار شروع کرتا ہے۔ تو اپنی منفعت کے لئے وہ عہدہ حاصل کرتا ہے۔ اپنی برتری کے لئے اور پھر پھولا نہیں سماتا۔ اور اپنے ساتھیوں پر فوقیت اور برتری کا جذبہ اپنے اندر پاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ "انسانیت کی فتح" ابھی دور ہے یہ انسان کے جذبہ خود حفاظتی کی فتح ہے جس سے ایک انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ اور اپنے لئے ایک مقام پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن جملہ بنی نوع انسان اس سے مستفید نہیں ہو سکتی اس کا شعور ابھی سطحی ہے اور ارادے محض ذاتی تحفظ کے ضامن۔

اب اسے دکھائی دیتا ہے کہ زمین آبادی کے اضافہ کا بوجھ سہارنے سے عاری ہے۔ اور اسکی ضروریات کی کفیل نہیں ہو سکتی — اور جیسا کہ اندازہ ہے بیس تیس سال کے اندر اندر خاندانی منصوبہ بندی کی سختی سے کاربندی کے باوجود، زمین پر مخلوق کی تعداد اس قدر ہو جائے گی کہ زمین کا کوئی حصہ خورک پیدا کرنے کے لئے نہ بچے گا۔ اور انسان بھوک اور تباہی سے دوچار ہوگا۔ اسلئے اب وہ زمین سے دور نو آبادیات کے چکر میں ہے اس کی منصوبہ بندی کام نہیں کر رہی — اور موت جیسا کہ موت سامنے منہ کھولے کھڑی ہے۔

اب اس نے کچھ تو حریفوں پر برتری جتانے کے لئے اور کچھ ضروریات سے مجبور، زمین کی تلاش اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا دھندہ شروع کر رکھا ہے اور اگر اس کا خلوص بروئے کار آیا۔ تو وہ دن دور نہیں جب وہ کسی نہ کسی ستارے پر جا قدم جمائے گا۔ اور اس زمین سے بوجھ کم کر سکے گا اور اگر ایسا ممکن ہوا۔ جیسا کہ دکھائی دے رہا ہے۔ تو یہ انسان کی فتح — مادی فتح کا شاندار کارنامہ ہوگا۔ لیکن انسانیت کی تسخیر والا مسئلہ پھر بھی حل طلب رہے گا انسانوں کو اخلاق سے سنوارنا۔ انہیں اپنے جیسا سمجھنا۔ ان کے دکھ بانٹنا۔ ان کو مساوی سطح پر لانا۔ اور ان کے جملہ امور کو ایک ہی نظریہ کے ماتحت سرانجام دینا۔ اسکی سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔ جبکہ ابھی سے اپنا مطمح نظر بنا لینا چاہیئے۔ تاکہ یہ کام، جب وہ خلاء کی تسخیر کر چکے تو اسکے ساتھ جائے۔ جہاں جنگ کا اندیشہ نہ ہو۔ خود غرض

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

اور حسد کا شائبہ نہ ہو۔ اور یہ وہ وقت ہوگا۔ جب خلاء کی تسخیر انسانیت کی فتح متصور ہوگی۔ اور وہ وقت ہوگا۔ جب وہ مذہب (اسلام) کے اصولوں کا صحیح معنوں میں علم بردار ہوگا۔ یوں اگر مادی ترقی کے طور پر اور سائنس کے بل بوتے پر، وہ کچھ حاصل بھی کرے۔ تو یہ انسان کی فتح تو ہوگی۔ اسکے زور بازو اور عقل و فہم کی فتح تو ہوگی۔ اسکی سائنسی تر فتح تو ہوگی۔ لیکن انسانیت کی فتح نہ ہوگی۔ انسانیت کی فتح صرف اس وقت ہوگی۔ جب وہ ایک ایسا نظام، جو قرآنی نظام کے مطابق ہو، ترتیب دے گا۔ جو سب کے لئے ہو۔ جس میں اسکی ذات بھی ہو، ایک دوسرے سے بھی فائدہ اٹھا سکیں۔ جس میں بغض نہ ہو۔ حسد نہ ہو۔ ریاکاری نہ ہو۔ چالاکی نہ ہو۔ کینہ نہ ہو۔ صرف یگانگت ہو۔ یک جہتی ہو۔ اور انسان کی بھلائی کی ضمانت ہو۔ اگر ایسی تسخیر میسر آجائے تو یقیناً یہ انسان کی فتح کے ساتھ ساتھ انسانیت کی فتح ہوگی۔

صلیبِ غم

عارف عبدالمتین کا چوتھا شعری صحیفہ

عارف کی غزل میں وہ سب کچھ ہے جو اردو غزل کی شاندار روایت کے مطابق نئی غزل میں ہونا چاہیئے۔ عارف نے غزلیں صحیح معنوں میں ڈوب کر کہی ہیں۔ اور اسی لئے ان میں بندشوں اور ترکیبوں کے نوادرات کی بجائے محسوسات کی ایک دنیا آباد ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ وہ غزل میں اپنے بیشتر معاصرین سے کتنا آگے ہے"

احمد ندیم قاسمی

قیمت :- چار روپے

کراکری اسٹیشنری، منیاری

اور دیگر

ضروریات زندگی

معقول نرخوں پر خرید فرمائیں

زمیندارہ جنرل اسٹور

مین بازار - چشتیاں

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

ریاض زیدی

سلیم اختر کی افسانہ نگاری

مختصر افسانہ کا ارتقائی جائزہ بڑا دلچسپ موضوع ہے۔ پریم چند سے لے کر موجودہ دور تک اُردو افسانے نے کئی انقلابات دیکھے ہیں اور مختلف منازل طے کر کے موجودہ شکل اختیار کی ہے یہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ کہ اُردو افسانے کے پچھلے پچاس سال ہمارے سماجی مسائل کے اُتار چڑھاؤ اور زندگی میں رُونما ہونے والے واقعات وحادثات کی سچّی تصویر کشی کرتے ہیں۔ اُردو افسانہ بڑی سرعت کے ساتھ ارتقائی مراحل سے گذر رہا ہے۔ بلکہ اُس کی موجودہ ترقی یافتہ صورت دیکھکر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ صنف شائد صدیوں سے اُردو ادب کا جزو رہی ہے۔ وہ لوگ جو موجودہ ادب کو جمود زدہ اور بے حس قرار دیتے ہیں اور اُردو نظم ونثر دونوں محاذوں پر ٹھہراؤ۔ خاموشی اور بے دلی کے آثار نمودار دیکھتے ہیں وہ اُردو افسانے کے شاندار ماضی خوش گوار حال اور حوصلہ افزا مستقبل کو نہ

سے یکسر نکال دیتے ہیں۔ خاص طور پر جب وہ اُردو کو افسانہ کو رو بہ انحطاط کہتے ہیں تو یہ تکلیف دہ احساس جنم لیتا ہے کہ شاید ایسے مایوس لوگوں کی توجہ اُن کامیاب اور خوبصورت افسانوں کی طرف کبھی منتقل نہیں ہوئی۔ جو وقتاً فوقتاً زیور طباعت سے آراستہ ہوتے رہتے ہیں۔ اور جن میں ہماری جیتی جاگتی زندگی ہزار پہلوؤں کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے۔ ہمارے افسانے نے موجودہ ذہنوں کی کشمکش دلوں کے اضطراب اور معاشرے کے اتار چڑھاؤ کا جس کامیابی کے ساتھ احاطہ کیا ہے وہ نہ صرف حوصلہ افزا ہے۔ بلکہ باعث صد افتخار بھی ہے۔ سلیم اختر کے افسانوں میں اُن مایوس افراد کے لئے امید جانفزا کے ہزار چراغ روشن ہیں۔ کیونکہ سلیم اختر نے زندگی کو اپنی جلوہ سامانیوں کے ساتھ نہ صرف قریب سے دیکھا ہے۔ بلکہ اسکی تہ در تہ گہرائیوں میں اترکر ان مستور اسرار ورموز کا سراغ لگایا ہے

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

جہاں بہت کم لوگوں کی پہنچ ہے۔ انہوں نے ادب کے مختلف مسائل پر عالمانہ مضامین بھی لکھے ہیں اور "عورت" "جنس" اور "جذبات" میں بعض اصیاتی موضوعات پر بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ قلم اُٹھایا ہے۔ لیکن اُن کے افسانوں نے جلد ہی اہلِ نظر کو متوجہ کر لیا تھا۔ آغاز ہی میں اُن کے افسانوں کو پڑھ کر یہ تاثر قائم ہو گیا تھا۔ کہ انہیں افسانہ کے فنی رموز پر عبور حاصل ہے اور اگر اسی سلیقہ اور ہنرمندی کے ساتھ وہ زندگی کے مسائل کو افسانہ کا روپ عطا کرتے رہے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ بہت جلد افسانہ نگاری میں معراج حاصل نہ کر سکیں خوش قسمتی سے اُن کا معجز نما قلم مصروفِ کار رہا ہے اور وہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو نکھارتے ہوئے کامیاب افسانے تخلیق کر رہے ہیں۔

سلیم اختر کے افسانوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے اگر انہیں مرتب کیا جائے تو بمشکل ایک اوسط ضخامت کی کی کتاب معرضِ وجود میں آسکے۔ لیکن اُن کے افسانوں کی قلت اُن کی عظمت کے راستے میں حائل نہیں ہوتی۔ انہوں نے جن افسانوں کو تخلیق کیا ہے۔ اُن سب میں اپنے خونِ جگر کو شامل کیا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اُن کی کم و بیش تمام کہانیوں میں فن کارانہ مہارت کا ثبوت ملتا ہے۔ اُن کے افسانوں کو آسانی کے ساتھ دو (۲) حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک ذہین فن کار حالات کے ساتھ ساتھ پروان چڑھتا ہے اور زمانے کے آثار چڑھاؤ سے اپنے فکر و عمل میں بھی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے۔ سلیم اختر کے افسانوں کے پہلے حصّہ میں وہ کہانیاں شامل ہیں جو ۱۹۵۱ء ۱۹۵۲ء کے قریب قریب شائع ہوئیں۔ اُس وقت سلیم اختر سکول کے آخری درجہ میں تعلیم حاصل کرتے تھے یا نئے نئے کالج میں وارد ہوئے تھے۔ وہ دور ذہنی ناپختگی کا دور تھا۔ اضطراب اور بے چینی کی لہریں اُبھر رہی تھیں اور سلیم حقائقِ زندگی سے آشنا ہونے کی مخلصانہ کوشش میں مصروف تھے۔ اُس وقت زندگی کے بارے میں کوئی پختہ رائے قائم کرنے کی نسبت دوسروں کی آراء پر زیادہ بھروسہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سلیم اختر نے منٹو، کرشن چندر، عصمت چغتائی اور بیدی کو بڑے غور سے پڑھا۔ انہوں نے معاشرتی حقائق کی سچی تصویر دی سے نوجوان ادیبوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ سلیم اختر پر ان سب سے زیادہ منٹو کا اثر مرتب ہوا۔ منٹو کا بے ساختہ پن اور لگی لپٹی رکھے بغیر حقائق زندگی کا کھلم کھلا اظہار سلیم کی صاف گو طبیعت کے لئے تازیانہ تھا۔ چنانچہ اُس دور میں سلیم نے جو کہانیاں لکھیں اُن میں منٹو کی فن کاری کی جھلکیاں صاف نظر آتی تھیں۔ منٹو نے معاشرہ کی اُونچ نیچ کے ہولناک مناظر دکھائے تھے۔ انسانی جسموں کو کھلے بازار بکتا ہوا دکھایا تھا۔ اور معاشرتی ناہمواریوں کی سچی سچی تصویریں کھینچی تھیں۔ سلیم کے ابتدائی افسانوں میں بھی یہی موضوعات ملتے ہیں۔ یہاں بھی جسموں کی فروخت ہوتی ہے۔ ان افسانوں میں غریب عورتیں اپنی ظاہری شان و شوکت کو برقرار رکھنے کے لئے کبھی داشتہ کا کردار ادا کرتی ہیں کبھی دولت مند اور ابن الوقت قسم کے امیروں کو پھانس کر اپنے اور اپنے عزیز و اقارب کا پیٹ پالتی ہیں۔ ان کا افسانہ "ایک محبوبہ ایک طوائف" اسی پہلو کی نشاندہی کرتا ہے۔ اسی افسانے کی محبوبہ پیار اور محبت کے جذبات سے عاری نہیں لیکن افلاس کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنا جسم فروخت کرتی ہے۔ یہی موضوع اُن کے افسانہ "کٹھ پتلی" میں بھی نظر آتا ہے۔ سلیم نے اس افسانہ میں وہ

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

حالات بیان کئے ہیں۔ جو ایک پاک دامن اور فرشتہ سیرت خاتون کو طوائف کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے مجبور کر دیتے ہیں۔ وہ مجبوریاں جو عورت کو بھیڑ بکریوں کی طرح ایک باڑے میں بند کر دیتی ہیں اس افسانہ کا موضوع ہیں۔ اُن کے اسی قسم کے دوسرے افسانوں میں بیواؤں کی حسرتوں کا رونا رویا گیا ہے یہ بیوائیں خوبصورت گھر بنانے کی تمنا اپنے دلوں میں ہر دم آباد رکھتی ہیں۔ اور اپنے شوہر کی اطاعت سے سرشار ہو کر ساری عمر اُس کے قدموں میں بسر کرنے کی آرزو رکھتی ہیں۔ اُن کے سینے میں یہ کسک دب کر رہ جاتی ہے کہ کوئی انہیں ماں کے مقدس نام سے پکار سکے۔ افلاس اُن سے کوٹھے پہلی کا ناچ نچاتا ہے اور وہ پیٹ کی خاطر یہ ناچ ناچتی ہیں۔ یہ موضوعات منٹو کے ہیں اور ان موضوعات کے ساتھ جو انصاف کیا ہے بہت کم لوگ اُس کی سطح تک پہنچنے کی سکت رکھتے ہیں۔ سلیم اختر کے ان افسانوں میں منٹو جیسی باریک بینی اور جذبات آشنائی نہیں ملتی۔ لیکن ایک موضوع کو پھیلانے اور اسے وحدتِ تاثر سے تصنیف کرنے کا ایک حسین سلیقہ ضرور ملتا ہے۔ ان افسانوں میں زبان و بیان کی کوتاہیاں بھی ملتی ہیں۔ جذباتی فقرات اور قلمی مکالمات سے کہیں کہیں سطحیت کا احساس بھی اُبھرتا ہے۔ لیکن کم عمری میں لکھے جانے والے افسانوں میں یہ کوتاہیاں قابلِ برداشت ہیں جوں جوں سلیم اختر کا شعور ترقی کرتا گیا ہے۔ اُن کے افسانوں میں زیادہ سے زیادہ نکھار اور جامعیت آتی گئی ہے یہ نکھار اور جامعیت اُن کے افسانہ "کڑوا بادام" میں زیادہ واضح ہو گئی ہیں۔ یہ افسانہ اُن کے اولین دور کی آخری کڑی ہے۔ موضوع کے لحاظ سے یہ افسانہ بھی منٹو کے زیرِ اثر ہے۔ لیکن زندگی کے ایک دلچسپ تضاد کو بڑی کامیابی کے ساتھ سپردِ قلم کیا ہے اس افسانہ میں جمیل پر جنس کا بھوت اپنی پوری طاقت سے سوار ہوتا ہے۔ تو وہ اُسکی تسکین کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اسکی بہن جمیلہ اُسکی آلہ کار بنتی ہے اور مختلف مکالموں کو پھانس کر اسکی ہوس کو ٹھنڈا کرتی ہے۔ لیکن یہی جنسی بھوت جمیلہ کے سر پر سوار ہوتا ہے۔ اور وہ عشق کی وادی میں قدم رکھتی ہے۔ تو جمیل کو خاندانی آبرو اور والدین کے تقدس کا خیال آجاتا ہے۔ اور وہ اس کا سختی سے سدِ باب کرتا ہے۔ زندگی کا یہ تضاد سلیم اختر کو سخت ناپسند ہے وہ اُن افراد کو بزدل اور کم ظرف کہتا ہے جو اس تضاد کو اوڑھنا بچھونا بنا لیتے ہیں اس افسانہ میں جنس کے مسائل تو بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن انہیں نفسیاتی حقائق کی روشنی میں پرکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

"کڑوا بادام" کے بعد سلیم اختر کے نقطہ نظر میں وسعت پیدا ہوئی ہے۔ جنس کا گہرا مطالعہ تو ان کے ابتدائی افسانوں سے ہی مترشح ہے اب مغربی ادب کے مطالعہ اور نفسیاتی الجھنوں کے مسائل کے بعد وہ جہاں کہیں جنس کا کاروبار پھیلا ہوا دیکھتا ہے تو اس کے نفسیاتی محرکات کا بھی سراغ لگاتا ہے چنانچہ سلیم اختر کے بیشتر افسانوں میں جنس اور نفسیات ایک کامیاب اشتراک کا ساتھ نباہ کرتے نظر آتے ہیں یہیں منٹو اور سلیم کی منزلیں بھی جدا ہو جاتی ہیں۔ منٹو نے جنسی معاملات کا تجزیہ ضرور کیا ہے۔ لیکن جنسی پیچیدگیوں کے نہیں پر وہ ہر کہیں نفسیاتی عوامل کارفرما نہیں دکھائے۔

سلیم اختر نے جدید ماہرین نفسیات کی کاوشوں کو مدِ نظر رکھا ہے۔ فرائڈ کی تحلیلِ نفسی یک رنگ ہے۔ ہمہ رنگ نہیں۔ سلیم اختر نے دیگر عوامل کو بھی جنسی محرکات کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اور اس طرح سلیم اختر

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

جنسی افعال کی جڑیں دُور دور تک پیوست دکھاتا ہے وہ عمل اور ردِ عمل کے درمیان بے شمار روابط تلاش کرتا ہے سلیم اختر نے زندگی کو ایک وسیع کارِ دیار سمجھ کر اُس کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھی ہے اُس کا خیال ہے کہ اس کارِ دیار کی تمام کڑیاں بظاہر جُدا جُدا اور الگ الگ ہونے کے باوجود آپس میں مربوط اور منظم ہیں۔ وہ اس مفروضہ کو دیوانہ کی بڑ قرار دیتا ہے کہ زندگی انتشار زدہ ہے اور عوامل کے مختلف النوع ہونے سے زندگی کی حرارت پارہ پارہ ہے۔ وہ انسانی جذبات و احساسات کے اندر وقوع پذیر ہونے والے انقلابات کو ہنگامی اور وقتی نہیں سمجھتا فطرت کے تمام شاہکار الگ الگ خصوصیات کے حامل ہیں لیکن وہ دراصل ایک ہی چیز کے رخ ہیں اس لحاظ سے سلیم اختر کو فطرت کے جدا جدا عناصر کی ہم آہنگی اور کامل اشتراک پر یقین ہے۔ اُس نے تصوف یا فلسفہ کے نظریات سے سروکار نہیں رکھا۔ وہ افسانہ لکھتا ہے اور افسانہ کے تمام واقعات و شواہد کو کسی سلسلہ سے مربوط رکھتا ہے۔ اس کے افسانوں میں کردار بے ضابطگیاں کرتے ہیں۔ اُن سے مضحکہ خیز حرکات سرزد ہوتی ہیں۔ ان افسانوں میں کشمکش اور اضطراب کی طوفانی لہریں جنم لیتی ہیں لیکن یہ تمام بے ضابطگیاں، مضحکہ خیز حرکات اور کشمکش کا طوفانی لہریں ایکا ایکی جنم نہیں لیتیں وہ تحت الشعور یا لاشعور میں کسی نہ کسی واقعے سے منسلک ہوتی ہیں یہی سبب ہے کہ سلیم اختر کہیں بھی سنسنی نہیں پھیلاتا اور نہ ہی حیران کن واقعات سے قاری کو چونکاتا ہے اُس کے افسانوں کو پڑھنے کے بعد اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے والی کیفیت طاری نہیں ہوتی۔ وہ نہایت سلجھے ہوئے انداز سے ایک صورت حال بیان کرتا ہے مختلف واقعات و شواہد کی روشنی میں اس صورت حال کی وضاحت کرتا ہے۔ کڑیوں سے کڑیاں ملتی جاتی ہیں اور یوں ایک واضح تصویر ہماری نگاہوں میں گھوم جاتی ہے یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے۔ کہ سلیم اختر تجریدی اشارات کے ذریعے اپنی تصویروں کو مدہم نہیں کرتا اُس کے کردار جس ذہنی و قلبی خلفشار سے دوچار ہوتے ہیں۔ اُسکی تہہ در تہہ گتھیاں سلجھتی جاتی ہیں۔ اور وہ تجسس جو بڑی فن کاری کے ساتھ افسانہ کے آغاز میں پیدا ہوتا ہے۔ دھیرے دھیرے تحلیل و تجزیہ کے مراحل طے کرنے کے بعد قاری کو بے پایاں مسرت سے ہم کنار کرتا ہے۔ سلیم کے افسانہ "پاؤں کی جنت" کا مرکزی کردار ایک عورت کے پاؤں اپنی گود میں رکھ لیتا ہے۔ اور اُنہیں دیوانہ وار چومنے لگتا ہے تو بظاہر اس عجیب و غریب فعل پہ حیرت ہوتی ہے۔ لیکن افسانہ نگار اس فعل کو اُس فرد کی زندگی میں جاری و ساری دکھاتا ہے۔

بچپن ہی سے اُسے ماں کے ساتھ والہانہ محبت تھی اور وہ اُس کے پاؤں دبا کر ذہنی آسودگی سے بہرہ مند ہوتا تھا۔ یہ پیار اُس کے شعور میں اس حد تک رچ گیا ہے۔ کہ ہر خوبصورت پاؤں اُس کے لئے فردوسِ نگاہ بن جاتا ہے۔ بس سٹینڈ پر کھڑی ہونے والی لڑکیاں اُس کے لئے جاذبِ نظر بنتی ہیں۔ تو محض اس لئے کہ وہ خوبصورت اور من موہنے پاؤں کی مالک نہیں یہ بات آغاز سے لے کر انجام تک بڑی مہارت سے افسانے میں پھیلا دی گئی ہے۔ بس اُسے وحدتِ مقصد تھی سلیم نے یہ کام خوبی سے سرانجام دیا ہے سلیم اختر نفسیات اور جنس کا باہمی تعلق واضح کرتے وقت انسان کو اشرف المخلوقات نہیں سمجھتا اس لئے کسی قسم کی رُو رعایت روا نہیں رکھتا۔ اُس کے کردار شکست و ریخت سے دوچار ہوتے ہیں۔ تو ان سے انسان جیسی حرکات بھی سرزد ہوتی ہیں۔ اُن حرکات کا بے ہنگم پن سلیم اختر کو ناپسند ہے کیونکہ وہ اس کیفیت کے ڈانڈے کسی نہ کسی یا

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

جنسی سے پیوستہ دیکھتا ہے مثلث کا ایک زاویہ میں رقابت کا احساس ایک لاوا بن جاتا ہے اور اعمد کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے۔

جب جانے پہچانے ذرائع سے اس کی تشفی نہیں ہوتی اور اس کی تضحیک کا پہلو نمایاں ہوتا ہے تو وہ جھنجھلاہٹ کے عالم میں اپنی تسلی کا عجیب و غریب ذریعہ تلاش کرتا ہے۔ وہ اپنی محبوبہ کے ساتھ اپنی شرارتوں کی تشہیر کرتا ہے۔

"میں نے بھی اُسے بچپن میں بہت خراب کیا ہے میں اُس کے کھلونے توڑ دیا کرتا تھا۔ اور بعض اوقات تو رات کو اُٹھ کر اُس کے بستر پر پیشاب بھی کر دیتا تھا۔"

ان فقرات کو ادا کر کے اُس کے ماتھے کی شکنیں دور ہوتی ہیں۔ اور وہ اطمینان کا سانس لیتا ہے۔ یہ توقع کا پہلو جنس کی پیدا کردہ گھٹن کا نتیجہ ہے "غسل سے پہلے" میں بھی کاظم کے ساتھ ہی حادثہ پیش آتا ہے۔ وہ مسز راجہ کے دسترخوان پر اپنی "سویٹ ڈش" سے لطف اندوز بھی نہیں ہوتا کہ دھماکہ کے ساتھ سارا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے۔ وہ مارا مارا پھرتا ہے جنس کی شدت اُسے مجبور کرتی ہے۔ لیکن وہ ایک جگہ کوشش کے باوجود اُسکی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی وہ تو وہ عجیب و غریب فعل انجام دیتا ہے۔ یعنی ننگ دھڑنگ بارش میں کھڑا ہو جاتا ہے۔

یہاں سلیم اختر نے جنسی شدت کا طوفانی ردِ عمل ظاہر کیا ہے۔ عورتوں کی نفسیات پر سلیم اختر کی گہری نظر ہے۔ وہ اُن بے چین اور آوارہ لڑکیوں پر افسانے نہیں لکھتا جو رات کو تو اجنبی بستر آباد کریں۔ اور دن کو شرافت کا برقع اوڑھیں۔ شائد اس کی وجہ یہ بھی ہو کہ وہ عورت کو تبرک کی چیز سمجھتے ہوئے اُس کا مطالعہ نہیں کرتا۔ اور نہ اُسے بھولے بھالے مردوں کا سکون و چین غارت کرنے والی ظاہر کرتا ہے۔ اُس کے افسانوں میں دل پھینک عاشق اور ناز و ادا دکھانے والی محبوبائیں نہیں ملتیں۔ یہاں جسم اور دولت کے بارے میں اندھیروں میں کئے گئے۔ معاہدوں کا بیوپار ہوتا ہے یہ معاہدے ٹوٹتے ہیں اور پھر اُستوار ہو جاتے ہیں" اُس رات کی خوشبو" میں یہی پہلو پیش کیا گیا ہے۔ سلیم اختر کے کچھ افسانوں میں ایسے کردار بھی ملتے ہیں جو جان جوکھوں میں ڈال کر دوسروں کی نگہداشت کرتے ہیں اپنے عشق کا گلا گھونٹتے ہیں اپنے عزیز و اقارب کو پالنے پوسنے کے لئے "ننگِ معاشرہ" افعال سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ لیکن اُن کے دلوں کی نیکیاں اور ضمیر کی پاکیزگیاں دوسروں کو متاثر نہیں کرتیں۔ بلکہ اُنہیں بدنامی اور رسوائی مول لینی پڑتی ہے۔ "سویٹ ہارٹ" کی ویلیما اسی قسم کی نیک سرشت اور پاکیزہ دامن عورت ہے۔ وہ جس بہن پر جان چھڑکتی ہے۔ وہ اُسے خود سر اور خود پرست کے نام سے یاد کرتی ہے۔ لیکن ستم یہ کہ وہ تھوڑے عرصہ کے بعد خود سوشل گرل کا روپ دھار لیتی ہے ان دو کرداروں کا خوبصورت موازنہ سلیم اختر کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

تشنۂ تکمیل آرزوئیں فطرت کی نمبر معروف اشیاء سے بھی نمیمیز حاصل کرتی ہیں اور وہ فطری جذبہ جو اندر ہی اندر گھٹ کر ناسور بن جاتا ہے۔ خارج میں وقوع پذیر ہونے والے کسی دلپسند حادثہ سے ہم نوا ہو کر پھوٹ پڑتا ہے۔ سلیم اختر نے اپنے افسانہ بکری میں زندگی کی یہی حکایت سنائی ہے ایک بانجھ عورت بکری کو دردِ زہ میں مبتلا دیکھ کر اپنے اندر دبی خواہش جو اُسکی سب سے بڑی مسرت ہے۔ بیدار کرتی ہے "بکری کا درد اُسے اپنے پیٹ سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا" اور جب وہ خبر سنتی ہے کہ بکری نے کئی بچے جنے ہیں تو وہ

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

اپنی قسمت کو روتی ہے اور جب وہ کھانا لئے خاوند کے کمرے میں داخل ہوئی تو کمرہ کے ملگجے اندھیرے میں اُس کی آنکھیں قصائی کی دوکان پر رکھی سری ایسی بے نور اور مکروہ آنکھوں سے دو چار ہوئیں اُس نے سوچا کاش میرا خاوند بکرا ہی ہوتا۔ "آئینہ اور دل کے ٹکڑے" میں ایک نفسیاتی کیفیت بیان کی گئی ہے بعض اوقات چھوٹے چھوٹے حادثات ہمیں ماضی سے منقطع کر دیتے ہیں اور کوشش کے باوجود ہم ماضی کی طرف لوٹ کر آ نہیں سکتے اس افسانہ میں شہلا کے چہرے پر ایک حادثے کے زخم سے داغ پڑ جاتا ہے۔ وہ اپنے سابقہ حسن اور موجودہ بدصورتی کا موازنہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ چنانچہ یہ عجیب بعد اُسے ہر چیز سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اور وہ بدصورتی کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا حادثہ سمجھ لیتی ہے۔ اس قسم کے بے شمار نفسیاتی مسائل کو سلیم اختر نے اپنے افسانوں میں پیش کیا ہے۔ "موری کی اینٹ" میں ماں کی مامتا اپنی پوری رعنائیوں اور دلکشیوں کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ کمار پاشی نے لکھا تھا۔ "اُردو کی چند بہترین کہانیوں کا انتخاب کیا جائے تو یہ کہانی اُن میں سے ایک ہو گی۔ حمل کے عمل کو جس تفصیل کے ساتھ انہوں نے بیان کیا ہے وہ ایک معجزہ سے کم نہیں" اس افسانہ میں بتایا گیا ہے کہ دنیا کے طعنوں خاندانی عزت کے واسطوں اور معاشرتی الجھنوں سے بے پروا ہو کہ ایک ماں اپنی حرامی بچی کو کس طرح سینے سے لگا لیتی ہے جس طرح ایک تخلیق اپنے خالق کی آنکھ کا تارا ہوتی ہے اُسی طرح ایک ماں اپنی بچی کو رد کر کے اُس تقدس اور پاکیزگی کو مجروح نہیں کر سکتی۔ جو لفظ ماں کے ساتھ وابستہ ہیں۔ یہاں یہ سوال قابل غور نہیں۔ کہ وہ تخلیق کن حالات میں معرض وجود میں آئی ـــ افسانہ نگار ان موضوعات پر بیکار سوچتے رہنا منصب نہیں سمجھتا۔ سلیم اختر نے بعض افسانوی میں ہمارے معاشرتی ماحول کے ایسے گھناؤنے پہلو دکھائے ہیں۔ جو نہ صرف کلنک کے ٹیکے ہیں بلکہ بلکہ معاشرہ کی ظاہری آن بان اور شان و شوکت کا کچا چٹھا بھی کھولتے ہیں۔ "زن مرید" ایک نفسیاتی شاہکار ہے۔ معاشرے کے ایسے افراد کے منہ پر جو مالی منفعت کی خاطر ذلیل سے ذلیل کام کو گذرتے ہیں۔ ایک زوردار تھپڑ ہے۔ اسی طرح "دو راستے ایک پل" میں افضل کو اُنہی کانٹوں میں گھسیٹتا ہوا دکھایا ہے۔ جو وہ دوسروں کے لئے بو رہا تھا۔ وہ عورتوں کی سپلائی کا کام کرتا ہے۔ ایک دن اُس کی اپنی بیٹی بھی اس کاروبار کی ایک کڑی بن جاتی ہے یہ موضوعات تلخ ضرور ہیں۔ لیکن کیا کیا جائے۔ اُن کی موجودگی اور صحت سے انکار ممکن نہیں۔ اگر ان موضوعات کے واشگاف اظہار پر سلیم اختر پر عریانی اور فحاشی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ تو دنیا کا ہر حقیقت نگار فن کار فحش نگار اور عریاں نویس کہلائیگا۔ فرخ درانی نے سلیم اختر کے افسانوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ جو لوگ سلیم کے بعض افسانوں میں فحاشی یا عریانی کی نام نہاد شکایات کرتے ہیں مجھے اس میں شبہ ہے کہ اُنہیں عریانی یا فحاشی کا صحیح مفہوم معلوم نہیں ہے۔ در اصل اسلوب کی ناپختگی، نافہمی اور ناتجربہ کاری سے فحاشی یا عریانی کا پہلو واضح ہو سکتا ہے اور سلیم اختر کے ہاں یہ خامیاں نہیں پائی جائیں۔ البتہ کہیں کہیں الفاظ یا ایک آدھ فقرہ میں وہ کہیں شدید رنگ اختیار کر جاتا ہے۔ مثلاً "مثلث کا ایک زاویہ" میں یہ دو فقرے قابل غور ہیں۔

"اُسے پوجا نہ جا سکتا تھا۔ لیکن استعمال ہو سکتی تھی"

(مثلث کا ایک زاویہ)

"وہ آڑھتی کی بیوی کو راکٹ بنا کر اُڑا دیتا" (مثلث کا ایک زاویہ)

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

یا اُس کے دانت اچھے تھے۔ مگر اتنے نہیں کہ اُن سے بازو پر کٹوانے کو دل چاہے" (سویٹ ہارٹ)

ایسے فقروں پر ضرور گرفت ہو سکتی ہے لیکن خوش قسمتی سے سلیم اختر کے ہاں ایسی مثالیں بے حد کم ہیں وہ اسلوب کی خوبصورتی میں تلخ حقائق کو بھی خوبصورت بنا دیتا ہے۔ خود پروفیسر وقار عظیم نے اُن کے طرزِ تحریر کی تعریف کرتے ہوئے کہا تھا۔ کہ وہ ایک عرصہ سے ان کی تحریریں پڑھ رہے ہیں۔ اور بے حد متاثر ہیں۔ یہ الزام بڑہ گمراہ کن ہے کہ سلیم اختر کے پاس موضوعات گنے چنے ہیں۔ افسانہ نگار کو حق ہے کہ وہ اپنے ذہن و فکر کی روشنی میں جو موضوع چاہے منتخب کرے۔ سوال اُس موضوع کی خوبصورتی اور فن کاری کا ہے۔ اگر افسانہ نگار نے اپنے موضوع کو دلکش انداز سے بیان کر دیا ہے تو وہ بری الذمہ ہے۔ سلیم اختر کے افسانوں میں پلاٹ کی نسبت کرداروں کو زیادہ اہمیت حاصل ہے دراصل وہ مختلف کرداروں کے ذہنی و قلبی رجحانات کا سراغ لگاتا ہے۔ ان کے مخفی جذبات کی تہہ میں اترتا ہے۔ اس لئے واقعات کرداروں کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں حالات اُس کے کرداروں کے تابع ہیں۔ اور کردار نگاری کے تمام محاسن پر سلیم اختر کو اتنی گرفت حاصل ہے کہ واقعات کو بالواسطہ لانے کا الزام بے معنی ہو جاتا ہے وہ مختلف کیفیات کی تصویر کھینچنے کا سلیقہ رکھتا ہے خارجی اور داخلی شواہد اُس کے قلم سے جاندار بن جاتے ہیں۔ البتہ اُن کے افسانوں میں یہ بات کہیں کہیں ضرور کھٹکتی ہے۔ کہ وہ بعض نفسیاتی جنسی مسائل کو پہلے سوچ لیتے ہیں اور پھر اُن کی مناسبت سے کردار و واقعات کا تانا بانا بُن دیتے ہیں۔ اس طرح مشین جیسی حرکت کا احساس ہوتا ہے اور کہانی کی دلکشی ماند پڑ جاتی ہے لیکن خوش قسمتی سے سلیم اختر کے ہاں ایسے افسانوں کی تعداد اور بہت کم ہے۔

(خاص برائے کارواں)

پتہ: لیکچرار گورنمنٹ کالج ملتان

• — سلیم اختر نے نفسیاتی تنقید میں توازن اور بے تعصبی اختیار کر کے ہماری تنقید کو ایک راستہ دکھایا۔ "ڈاکٹر وحید قریشی"

• — سلیم اختر صاحب اُردو تنقید کے نفسیاتی رخ کے ایک نہایت زیرک اور سلجھے ہوئے علم بردار ہیں" ڈاکٹر وزیر آغا

• — سلیم اختر صاحب کے مزاج کی بڑی مستحسن معنویت یہ ہے کہ اپنی بات کو نئے انداز میں کہنے کی صلاحیت رکھتے ہیں — وقار عظیم

"نگاہ اور نقطے"

— از سلیم اختر

• — مقالات کا پہلا مجموعہ

• — نفسیاتی تنقید میں اہم سنگ میل

قیمت — چھ روپے

ملنے کا پتہ

جدید ناشرین، چوک اردو بازار

دانشکدہ۔ حسین آگاہی روڈ — ملتان لاہور

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

رویت تام

یہ ناتواں کے مقابل جلالِ فغفوری،
کھنچی ہے لوحِ گلستاں پہ خونِ گل کی لکیر

نہ جانے کتنے دمکتے چراغ سرد ہوئے
یہ زندگی کی رگِ جاں پہ بوسۂ شمشیر

شعاعِ برق سرِ دشت ہے مجلہ خاشاک
گلوں کے خیمۂ زرتار جل گئے کتنے

سرودِ ساز سے اک شعلۂ نوا لے کر
تبسمات کراہوں میں ڈھل گئے کتنے

نئے لباس میں اب روحِ جاگ اٹھی ہے
گلوں کا خون تبسم اُبالنے کے لئے

یہ راکٹوں کی تباہی یہ قتلِ عام کی رَو
گلوئے فکر میں زنجیر ڈالنے کے لئے

یہ نسلِ آدمِ خاکی کی عام خونریزی
کھنچے ہوئے ہیں فضاؤں میں موت کے پرچم

تباہ ہو گیا انسانیت کا راس المال
ہر ایک ساز میں بجتا ہے موت کا سرگم

یہ مرمریں سے جزیروں پہ راکٹوں کی دھمک
کفن بدوش رہے گی یہ زندگی کب تک

یہ ماہتاب کی تربت یہ کہکشاں کا کفن
خود اپنے خوں میں نہائے گی چاندنی کب تک

بہ رغمِ کج کلہی آج موت کی دیوی
بُنے ہی جاتی ہے کرنیں جوانیوں کے کفن

جمی ہے گردِ تصوّر کی شاہراہوں پر
قبائے جسم خیالاں ہے چاک پیراہن

یہ آنسوؤں کا تبسم یہ بھوک کے نغمات
اُجڑ کے رہ گئے دھرتی پہ کھیتوں کے سہاگ

لہو کا مے ہے تو اشکوں کے آبگینے ہیں
ہے آنسوؤں کا تبسم تو آہِ سرد کے راگ

یہ سحرِ افسر و اورنگ ٹوٹ جائے گا
یہ قتل گاہ نئی انجمن بنائے گی

ردائے شب میں ستارے نیا جنم لیں گے
عروسِ مرگ، دلہن بن کے گیت گائے گی

پیتے :- ڈویژنل نیشنل سمال سیونگ سکیم آفیسر بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

سرمد اختر

المیہ

میں شیشے کے پتھر کی دیوار بن کر
وفا کی سبک سار سی کیف دستی میں ڈوبا ہوا اکثر
رخِ زندگی کی ملاحت سے اپنے سجیلے دنوں کا
تمنائی بن کے ہر اک انجمن میں تماشا بنا ہوں
محبت کی گم کردہ محرومیوں کو پکارا ہے جب بھی
مرے تند ادراک کی ملگجاہٹ کا بھرپور جوبن
چمک کر دمک کر مجھے آئینہ سا دکھاتا رہا ہے
وفا کے حسین طاق میں رنج و غم کو سجاتا رہا ہے
فلک کی نگوں سار وسعت میں وجدان کی لو کو کر
ترے نام سے ماہ و انجم کو تعبیر کرتا رہوں گا

میں سقراط بن کر سمِ غم کو اپنے لبوں پر سجائے
جنوں کے نکھرے حقائق کی تشہیر کرتا رہوں گا
تمنا کی محراب کے خم سے اک پل کو باہر نکل کر
شرارِ وفا کی حیاتِ رمیدہ سے مایوس ہو کر
درِ دولتِ الفاظ کی وسعتِ بیکراں کے فسانے
خیالوں کے اڑتے جزیروں کی پرچھائیوں کا تعاقب
مری آرزو میری حسرت کا اب تو مقدر بنا ہے
مرے ذہن میں نقرئی گھنٹیوں کے ترنم کی لہریں
فغاں کے سیہ سرمئی روپ میں اب سے ڈھلتی رہی ہیں
کہیں دور زنداں میں ٹوٹی ہے زنجیرِ شب رنگ شاید
مگر ایک زنجیرِ شب رنگ کے اس طرح ٹوٹنے سے
سیہ رات کی سازشوں کا فسونِ الم کیسے ٹوٹے

پتہ:- شعبۂ اردو گورنمنٹ کالج بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

سید اختر علی منیر

سائیٹ[1]

جوانی اپنے جوبن کی نمائش پر بہت خوش ہے
یہ عارض اور گیسو ہیں کہ دن اور رات ملتے ہیں
شفق کی سرخیاں بشاش چہرے پر مچلتی ہیں
شگفتہ ہے جبیں جیسے چمن میں پھول کھلتے ہیں
نگاہیں کیا ہیں گویا چاند سے کرنیں نکلتی ہیں
چٹک جاتی ہیں کلیاں جب گلابی ہونٹ ہلتے ہیں
تبسم کی کڑکتی بجلیاں لہرا کے جلتی ہیں
یہ ظالم دل کو تڑپانے کی خواہش پر بہت خوش ہے
مگر کیا خوشنما پھولوں میں خوشبوئے وفا بھی ہے؟
لب و رخسار کی سرخی میں کیا رنگ حیاء بھی ہے
سیہ زلفوں میں مشکِ دلنوازی کی مہک بھی ہے
گلِ گفتار کی کلیوں میں اعجازِ شفا بھی ہے
نگاہِ ناز میں کچھ نورِ شفقت کی جھلک بھی ہے
کڑکتی بجلیوں کے پاس کچھ خوفِ خدا بھی ہے؟

---

[1] سید اختر علی منیر اپنی جوانی کے عالم میں میرا جی (مرحوم) کے ساتھ مولانا صلاح الدین احمد کے پرچے "ادبی دنیا" میں کام کرتے تھے۔ اتفاق سے انہوں نے تذکرہ "مجھے یہ نظم سنائی اور میں نے بطور تبرک کا دراں" کیلئے جھپٹ لی۔ وہ بضد تھے کہ میں اسے نہ چھاپوں اور میں جرأت کو دھاتوں مستفید ہوں۔ مدیر

پتہ:- تحصیلدار زرعی ترقیاتی بنک بہاولنگر

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

سید محمود جعفری

خوابِ گفتگو

"آپ افسردۂ خاطر کیوں ہیں؟
آپ یوں بال بکھرے ہوئے کیوں آئے ہیں؟

——!

کچھ تو کہیئے کہ یہ وحشت کیا ہے؟
"(مجھ کو ظاہر سے کبھی پیار نہیں ہو سکتا)"

آپ کو میری پریشانی پہ حیرت کیوں ہے
میری وحشت کا سبب آپ سے پوشیدہ نہیں

"مجھ سے پوشیدہ نہیں!"

آپ سے پوشیدہ نہیں
آپ سے پیار کیا ہے میں نے ——

"آپ نے پیار کیا ہے مجھ سے؟؟؟
میں تو ظاہر سے کبھی پیار نہیں کر سکتا۔!!!"

کسی باطن کی خبر کس کو ہے
آپ شرمندۂ خاطر نہ ہوں
عشق اک خواب ——
—— اک خواب ہی رہنے دیجئے

پتہ:۔ سب ایڈیٹر روزنامہ امروز لاہور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

محمود احمد ناظر

مردم گزیدہ

کیسے اچھے، کیسے سندر، دوست ہمارے
سانپ تو ہیں۔
رنگ رنگیلے، من موہنے، من کے کالے ناگ
بس جاتے ہیں انگ انگ میں
ڈس جاتے ہیں پیار کے رنگ میں
پیار کا یہ بہروپ بنا کر
بات میں کتنے سیدھے سلاجے گھات میں کتنے تیز
——— یہ دوست ہمارے
کیسے اچھے، کیسے سندر، ناگ تو ہیں،

"نئے قدریں"
سے

پتہ:-
مجسٹریٹ درجہ اول رحیم یار خاں

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

اشفاق برنی

حکایتِ آں شب

پھر چلی آئی ہو تم رات کی تاریکی میں
چہرۂ حور شمائل کی جلائے قندیل

یہ گھٹا ٹوپ اندھیرا یہ دھواں دھار سماں
شعلۂ حسن کو پابندِ حرم کر نہ سکا
میرے بے نور شبستاں کا مقدر چمکا
غم کے بادل سے نکل آیا خوشی کا مہتاب
لیکن اے جانِ وفا اے مری دیرینہ رفیق
ایسی پُر ہول فضا سے مجھے ڈر لگتا ہے

میرے سینے میں ہے جذبات کا اک بحرِ عمیق
شوق بے تاب ہے سینے سے نکلنے کے لئے
تم بہت نازک و معصوم ہو اے جانِ وفا
آدمی تیرگیٔ شب میں بہک جاتا ہے

میری تنہائی پہ ہم کا مداوا نہ کرو!
جاؤ اس رات کو محرومِ سحر رہنے دو!

پتہ:- نائب تحصیلدار ڈاہرانوالہ ضلع بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

صدیق طاہر

"اُمید کی لَو"

"ہم نوا"
کہتے ہیں گلشن میں بہار آئی ہے
جیسے آیا نہ ہو یاں پھول کے بھی دورِ خزاں
پہلے اُجڑی ہی نہ ہو گود چمن کی جیسے،

پھر سے اب سبزۂ نورستہ ہوا زینتِ باغ
دُھل گئے فرش کے داغ
زرد شاخوں کی یہ اُجڑی ہوئی ویران سی گود
نرم و معصوم سی کلیوں سے بھری جاتی ہے،

پھر صبا آتی ہے دامن میں لئے ذوقِ نمو
عارضی شوق کہ ان کلیوں کو خنداں کر دے
خندگی جیسے گلوں کو بھی کہیں راس آئی ہو—

پھر جگر تھام کے بلبل بھی سرِ خیمۂ گل
کچھ نئے گیت لئے،
زخم آلام خزاں زار سیئے
سیج پہ آ بیٹھی ہے۔

میں ہی کیوں جورِ زمانہ کا الم کرتا پھروں
داغ حالات لئے پھرتا رہوں
کیوں نئے دیپ نہ اُمید کے روشن کروں
"ہم نوا"—
کہتے ہیں گلشن میں بہار آئی ہے۔

بہتاد دفتر ڈائریکٹر اطلاعات و تعلقاتِ عامہ ملتان

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

ارشاد متین

"وطن"

یہ ارضِ خاکِ نظر ہی سکون دل ہے مرا
یہ باد و خاک یہ سرسبز کھیتیاں ہیں مری
یہی زمیں ہے مری زندگی کا گہوارہ

مجھے عزیز ہیں اس سرزمیں کے شام و سحر
مسرتوں کی تمازت ہو یا غموں کی تھکن
کوئی بھی رُت ہو رہا ہوں میں یونہی گرم سفر

ہو فصلِ گُل کہ خزاں کا تپیدہ موسم ہو
مجھے وطن کی ہر اک رُت سدا عزیز رہی
نشاط و رنج کے لمحے ہوں، کوئی عالم ہو

نفس نفس کسی تغیر کی علامت ہے
ہیں گرد راہ گذر کوہِ حادثات جہاں
مری نگاہ، نئی صبح کی ضمانت ہے

خدا کرے کہ مرا خوں وطن کے کام آئے
مرا یقین دلوں کو اجال کر رکھ دے
مرا سکون، زمیں پر محیط ہو جائے

پتہ - بیرا سنگھ - ساہیوال

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

سلیم اختر

مچھر

حبس اور گھٹن کے بوجھ تلے دبی دبی برسات کی تاریک رات اور مچھر! بھنبھناتی اور نشتر ایسے ڈنک لئے وہ تعداد مچھر!!

کوٹھے پر پانچ چارپائیاں بچھی تھیں۔ سیڑھیوں کے پاس دو چارپائیاں نو بیاہتا جوڑے کی تھیں اور کوٹھے کے دوسرے سرے پر بوڑھے باپ اور اس کے دو جوان بیٹوں کی تینوں چارپائیاں ساتھ ساتھ لگی تھیں۔ ایک طرف ان دو اور دوسری طرف ان تین چارپائیوں کے درمیان کوئی بھی چوڑی جگہ نہ بچی تھی۔ اس تنگ مکان کا کوٹھا اتنا چھوٹا تو نہ تھا لیکن جب سے اکبر کی بیوی گھر میں آئی تھی یہ کوٹھا جیسے سمٹ کر محض ایک چارپائی بن کر رہ گیا تھا۔ کوٹھے کے درمیان میں چادر لٹکانا نہایت معیوب معلوم ہوا اس لئے بوڑھا سسر اور دونوں دیور بھی وہیں سوتے۔

اکبر نے تو کوشش کی تھی کہ شادی کی تاریخ ایسی پڑے کہ سردیاں ضائع نہ جائیں اور تاریخ تھی بھی حسب حال۔ لیکن ماں کی بے وقت موت نے شادی کو کئی ماہ آگے ڈال دیا۔

ماں کے بعد وہ خالی گھر اور اسکی آزادی کے عادی ہو چکے تھے۔ رات کو جس کا جہاں جی چاہتا۔ ٹانگیں پسار کر پڑ رہتا۔ جوان اصغر کوٹھے پر روزانہ صبح تیل کی مالش کر کے ورزش کرتا اور صحن میں ہینڈ پمپ کے نیچے بیٹھ کر نہاتا جبکہ نوجوان دلبر نہاتے میں تازہ ترین فلمی گیت چیخ چیخ کر گانے کی کوشش کرتا۔ بعض اوقات جانگیہ ڈھیلا ہو کر نیچے بھی کھسک جاتا مگر وہ کبھی بھی جھجک محسوس نہ کرتا۔ ان کا باپ بھی رات کو وقت بے وقت اٹھ کر اپنے سلگا کر حقہ پیتا رہتا۔ اگر کسی بھائی کی سوتے میں دھوتی بھی کھل تو اسے شرم محسوس نہ ہوتی۔ لیکن اکبر کی بیوی کے آنے سے جہاں گھر میں ایک نئی تازگی آئی اور کئی ماہ بعد تندور کی روٹیوں اور الٹے سیدھے سالنوں سے

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

نجات ملی وہاں بعض پابندیاں بھی عائد ہو گئیں
سبھی اب گھر میں داخل ہونے سے پہلے احتیاطاً
کھنکارتے۔ کوٹھے پر جانگیہ پہن کر ورزش کرنا
اور چیخ چیخ کر گانا خود بخود ہی نامناسب معلوم ہونے
لگا اور رات کو چارپائیاں گھسیٹ کر بالکل ہی
دیوار کے ساتھ لگا لی جائیں۔ بلکہ ایک رات
اکبر کا باپ حقہ کی طلب میں بے وقت جاگا تو ایسا
شرمسار ہوا کہ اس نے رات کو حقہ پینے سے ہی
توبہ کر لی۔

ہر ایک اپنی جگہ یہی محسوس کرتا تھا کہ اب
دو کوٹھوں والے مکان کی ضرورت ہے۔ لیکن
مکانوں کے کرائے ان کوٹھوں سے بھی زیادہ
اونچے تھے اس لئے سبھی چپ تھے

آج مچھر شاید ضرورت سے کچھ زیادہ ہی تھے
جمیلہ بھی ان کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ کپڑے
جسم سے چپکے جا رہے تھے۔ پسینہ چیونٹیوں کی طرح
جسم کے بعض حصوں پر رینگتا محسوس ہوتا ادھر اکبر
کے ہاتھ بھی ساکت نہ تھے۔ جمیلہ کے لئے جب مسلسل
رینگتے ہاتھوں کی وجہ سے سونا قطعی ممکن نہ رہا تو اس
نے سرگوشی کی

"کیا کرتے ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں!" وہ گردن پر بیٹھے ایک مچھر کو مارتا ہوا
بولا۔

"کچھ نہیں تو پھر سو جائیں"۔

"نیند نہیں آتی" وہ لاڈ سے بولا۔

وہ اس کے آگے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو روک کر بولی
"کوئی جاگ جائے گا۔"

"نہیں! کوئی نہیں جاگے گا"۔

"وہ یاد ہے جب ابا چلم بھرنے اٹھ بیٹھے تھے"
وہ ایک لمحہ کو خاموش رہا۔ اس خاموشی میں
مچھروں کی بھنبھناہٹ گونج رہی تھی۔ پھر
بدلی ہوئی آواز میں بولا۔ "آج کوئی نہیں جاگے گا"
اور ہاتھ سے مچھروں کو اڑاتے ہوئے بولا۔
کم از کم آدھی رات تو ضرور ہو گی"
تو پھر۔۔۔؟

وہ معنی خیز انداز سے ہنسا اور کروٹ اسکی طرف
بدل لی آپ بالکل تو نہیں ہوئے۔ وہ گھبرا کر بولی
نہیں!"

اسے اپنے شوہر پر بڑا ترس آیا لیکن وہ خاموش
رہی۔ اتنے میں ایک مچھر بھنبھناتا ہوا پاس آیا۔
تو اس نے بیٹھنے سے پہلے ہی اسے مارنا چاہا۔ مگر
وہ غچہ دے گیا۔ اور پھر مچھر ہی کی مانند اس کے
شوہر نے گال میں چٹکی بھری
"اوئی"

لیکن وہ بولے بغیر آہستگی سے اسکی چارپائی پر کھسک
آیا۔ "ہائے اللہ" ۔ وہ گھبرا کر بولی۔
"ہوش سے کام لیں" ۔ مگر وہ کچھ نہ بولا۔
اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ اور کسی بیل کی طرح وہ اس
کے جسم سے لپٹتا ہی جا رہا تھا۔ اس نے اسے یوں
جکڑا کہ جمیلہ کو دم گھٹتا محسوس ہوا۔
"نہیں نہیں ۔۔ وہ ہانپتی ہوئی بولی ۔۔۔ وہ
خاموش تھا مگر ہاتھ بول رہے تھے۔ وہ بھی کانپ
رہی تھی ۔۔۔ مگر اس نے خود کو روکا۔ اور کپکپاتی سرگوشی
کی۔ سب جاگ جائیں گے"

۔۔۔ اللہ کتنی بے شرمی کی بات ہے" جمیلہ
نے بڑی مشکل سے اسے اسکی چارپائی پر دھکیلا۔

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

جس اور گھٹن کے بوجھ تلے دبی دبی برسات کی تاریک رات اور مچھروں کے درمیان دونوں میاں بیوی اپنی اپنی چارپائی پر چت لیٹے لمبے لمبے سانس لے رہے تھے۔ ایک مچھر جمیلہ کی طرف بڑھا آ رہا تھا۔ مگر اب اس میں اسے اڑانے کی سکت نہ تھی۔ "کاٹ لینے دو اسے بھی" اس نے بے پروائی سے سوچا۔ اکبر اسکی طرف کروٹ بدل کر بولا "بات سنو!"

کچھ کہے بغیر جمیلہ نے اسکی طرف کروٹ بدلی۔

"ہم نیچے کمرے میں چلتے ہیں"

"نہ"

"کیوں؟"

"گرمی بہت ہے"۔ اس کا سارا جسم پسینے سے بھیگ چکا تھا۔ اور چوڑیوں کے چھناکے کی وجہ سے وہ زیادہ پنکھا بھی نہ چلاتی

"گرمی سے کیا ہوتا ہے؟"

"پر مچھر بھی تو بہت ہیں"

"گولی مارو مچھروں کو" وہ چل کر بولا۔ یہاں جان پر بنی ہے۔ اور تمہیں مچھروں کی سوجھی ہے" اس پر وہ ہنسے بغیر نہ رہ سکی اور بولی۔ "لو سنو"

"کیا؟"

"مچھروں کی آواز"

مگر وہ ہنسے بغیر فیصلہ کن لہجہ میں بولا "پہلے میں جاتا ہوں پھر تم بھی آ جانا"۔ جمیلہ نے اسے نہ روکا وہ اندھیرے میں کھڑبڑ کرتا جوتیاں تلاش کرتا رہا۔ اور پھر دبے پاؤں نیچے چلا گیا۔

وہ خاموش لیٹی مچھروں کی بھن بھن اور سونے والوں کے خراٹے سنتی رہی۔ پھر سرہانے سے پنکھا اٹھایا اور ننگے پاؤں سیڑھیاں اتر گئی۔

..... ——— اور پھر کافی دیر بعد دلبر نے ذرا گردن اٹھا کر دیکھا۔ تو دونوں بستر ابھی تک خالی تھے۔ اور وہ یوں کروٹیں بدلتا رہا۔ گویا نیچے کے تمام مچھر بھی اور آ گئے ہوں

خاص برائے "کارواں"

پتہ:۔ لیکچرار گورنمنٹ کالج ملتان

"صاحب"
"جناب"
"آپ"
کے خالق ———
محمد طفیل
کے خاکوں کا تازہ ترین
مجموعہ
"محترم"
ایک علیحدہ خوشگوار معیار
قیمت ——— چار روپے
ناشر:۔ ادارہ فروغ اردو لاہور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

سید انجم الحسن رضوی

جاگتی گندم

بوڑھے آرٹسٹ کا ایک ہاتھ مفلوج تھا۔ اور کسی درخت کی زخمی شاخ کی طرح شانے سے لٹکا ہوا تھا۔ وہ دوسرے ہاتھ سے ایک وقت میں زیادہ سے زیادہ موقلموں کا ڈبہ یا کلر پیلٹ اٹھا سکتا تھا۔ ایزل اٹھائے چلنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ جب وہ کبھی اپنے حجرے سے باہر نکلتا اور نشیب میں دریا کے ریتیلے کنارے کی طرف تصویر کشی کے لئے اترتا تو ایک لڑکا ایزل اٹھائے ہوئے ساتھ ساتھ ہوتا۔ یہ لڑکا جو فن کا دلدادہ تھا۔ اور اپنی نوعمری کے زمانے سے ہی اس کے ساتھ رہتا تھا۔ گھر سے دریا کے ریتیلے ساحل تک، اس کے سفر میں، ایزل سنبھالے، سرد پانی کی بوتلیں اٹھائے اور چائے سے بھرا ہوا تھرموس لٹکائے ساتھ ساتھ رہتا۔ دریا کے کنارے پہنچ کر بوڑھا مصور کسی اونچے پتھر پر بیٹھ جاتا اور ایزل پر کسی نئی تصویر کا خاکہ اتارنے لگتا اور لڑکا اس کے قریب بیٹھ کر اس کے قلم کی ہر جنبش پر نکتہ چینی شروع کر دیتا اور پھر دونوں میں خوب خوب چونچیں ہوتیں۔ لڑکا بڑا ستم ظریف واقع ہوا تھا۔ بوڑھے مصور کی ہر تصویر پر تنقید شروع کر دیتا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا آخر اس تصویر سے آپ کا مقصد کیا ہے؟ کہیں کسی عورت کے سر سے آج تک سورج بھی نکلا ہے؟"

"اور یہ لیجئے گویا عورت کیا ہوئی دخانی کشتی ہو گئی۔ بہتی ہی چلی جا رہی ہے۔ بھلا اس کی ٹانگیں ہیں۔ کہ چپو؟"

"اور جناب آپ کہتے ہیں۔ کہ اس تصویر کا مطلب ہوا کہ نیا دن، مجھے تو کہیں نظر نہیں آتا آپ کا نیا دن؟ اس کالی بھجنگ عورت کے سفید ہونٹوں سے آپ کیا بتانا چاہتے ہیں؟"

"آپ کی یہ صراحی البتہ بہت خوبصورت ہے۔ مگر آپ خواہ مخواہ ضد کر رہے ہیں۔ کہ اسے لڑکی مان لیا جائے؟"

"اف توہ حد ہو گئی۔ ۔۔۔ لڑکا کھکھلا کر ہنس [illegible] ۔۔۔ یہ سورج کو چیچک کب سے نکل آئی اور اس بڑھیا کے سر پر کانٹے

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

کیوں اُگے ہوتے ہیں — ؟"

بوڑھا آرٹسٹ اسے اپنی تصویروں کا مطلب سمجھاتے سمجھاتے چڑ جاتا۔ کبھی بستی کے لوگ اس کی تصویروں کو دیکھ لیتے تو ہنستے ہنستے دوہرے ہو جاتے ایک صاحب تو ایک دن اس کی ایک تصویر دیکھکر اتنا ہنسے کہ انہیں بُری طرح کھانسی ہوگئی۔ اور آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ انگلیوں سے آنکھوں کے گوشے صاف کرکے کھانستے ہوئے بولے — "معاف کیجئے جناب آپ کی تصویر بہت اچھی ہے۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ اسے دکھانے سے پہلے رومالوں اور سعالین کی ٹکیوں کا معقول انتظام کر لیا کریں !"

ایک صاحب جو کہیں اسٹینوگرافر تھے بولے — "جناب آپ کی تصویریں کوئی ایسی بُری بھی نہیں بس ذرا شارٹ ہینڈ میں ہیں؟

ایک بزرگ جو صورت سے سوفیصدی شاعر نظر آتے تھے بولے۔

"ایسی تقطیع سے گری ہوئی تصویریں دیکھنے سے رات کو بھیانک خواب آتے ہیں — !"

بوڑھے آرٹسٹ نے جل کر کہا — "معاف کیجئے محترم تقطیع سے گرے ہوئے آدمیوں سے تقطیع سے گری ہوئی تصویریں ہزار درجے بہتر ہیں — !"

بوڑھے آرٹسٹ کا خیال تھا کہ ان سارے لوگوں کی عقلیں چونکہ ایڑیوں میں واقع تھیں لہٰذا ان سے کسی قسم کی توقع فضول تھی۔ لیکن وہ لڑکا بھی خوب تھا۔ اسے ذرا سا موقعہ ملتا اور وہ اس کی کسی تصویر پر کوئی نہ کوئی اعتراض چپٹ سے جڑ دیتا۔ آپکی اس تصویر پر زلزلے کی سی کیفیت پائی جاتی ہے اور سخت آندھیوں کے آثار ہیں!

"معلوم ہوتا ہے جیسے اس تصویر کو بناتے ہوئے آپ کی انگلیاں رعشہ کا شکار ہوگئی ہیں!"

بوڑھا آرٹسٹ زچ ہو جاتا۔ "ہوش کی دوا کرو میاں تمہاری عقل کو رعشہ ہوگیا ہے!"

لڑکا نہایت ثابت قدمی سے کہتا — لیکن جناب اس تصویر کو سمجھنے کے لئے آپ ہی کے قلم کا بنا ہوا دماغ ہونا چاہئے"

بوڑھا آرٹسٹ کہتا — صاحبزادے اس تصویر میں حسن کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ ذرا غور سے دیکھو!"

لڑکا مایوسی سے سر ہلا کر کہتا — حُسن — ؟ — حُسن کیا ہے؟ حسن نظر کا دھوکا ہے — !"

"دھوکا مت کھاؤ میاں حسن حقیقت ہے"

حقیقت — ؟ — لڑکا کہتا — حقیقت کچھ نہیں ہے سب غلط ہے —"

بوڑھا آرٹسٹ کینوس پر گہرا سا نگدار خط کھینچتا۔ "حقیقت اس گہرے خط کی طرح نمایاں اور یقینی ہے!"

"چلئے مان لیا۔ مگر حسن کہاں ہے؟ کیا یہ دھواں حسن ہے؟"

"تم گدھے ہو — ! دھواں تو وہ نقاب ہے جو حسن کو چھپائے ہوئے ہے۔ اس کے پیچھے دیکھو چاند ابھر رہا ہے دیکھا؟" بوڑھے مصور نے ڈاڑھی کھجائی۔

لڑکے نے کہا — یہ "چاند ہے یا کسی گنجے آدمی کا سر؟ مجھے تو اس میں کوئی خوبصورتی نظر نہیں آتی اس لئے زیادہ خوبصورت تو مجھے آپ کی داڑھی لگتی ہے!"

بوڑھے مصور نے جھنجھلا کر برش رنگ کی پیالی میں ٹپکا۔

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

تم بڑے کوڑھ مغز ہو۔!"

لڑکا مسکرایا۔ اچھا کسی اور چیز کا نام لیجئے جو حسین ہو

بوڑھے نے ادھر اُدھر دیکھا سامنے ہی ایک موٹر سے چند لڑکیاں اتر رہی تھیں۔ جو شاید دریا پر پک نک منانے آئی تھیں۔ ان لڑکیوں کو دیکھ کر بوڑھے آرٹسٹ کی ضعیف آنکھوں میں چمک آگئی۔

"دیکھو میاں ادھر دیکھو جیتا جاگتا حُسن۔!!"

لڑکے نے ایک نظر ادھر دیکھا اور بے نیازی سے بولا۔ "یہ سمجھتا تھا آپ کی نظر میں حسن کی کوئی قدر و قیمت ہوگی"

بوڑھا مصور سٹپٹا گیا۔ میاں صاحبزادے ہوش میں ہو؟ یہ حسن نہیں؟ عقل کے ناخن لو، عورت تو حسن کا پیکر ہے!"

لڑکا بولا۔ آپ کی باتیں آپ کی تصویروں کی طرح مبہم ہیں آپ کا حلق خشک ہو گیا ہے لیجئے پانی پیجئے!

لڑکے نے پانی کی بوتل بوڑھے کو تھمائی۔ بوڑھے نے بوتل منہ سے لگا کر چند گھونٹ پانی پیا۔ لڑکا دریا کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لڑکیاں کشتیوں پر سوار ہو کر بوٹنگ کے لئے جا رہی تھیں۔ دمکتے چہرے۔ سرسراتے ہوئے رنگ برنگے آنچل بالوں کی اڑتی ہوئی لٹیں"

بوڑھے نے بانچھوں سے بہتا ہوا پانی پونچھا۔ مسکرا کر اسے دیکھا اور مسرت آمیز لہجے میں بولا۔ — برخوردار کہاں کھو گئے۔ میں نہ کہتا تھا۔ کہ عورت کائنات کے حسن کا پرتو ہے۔!"

لڑکا ہنس دیا۔ آپ غلط سمجھے میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ آپ کتنے فراخدل ہیں کہ جسکو چاہتے ہیں حسین کہہ دیتے ہیں

بوڑھا مصور بلکیں جھپکانے لگا۔

"میاں عورت تو کائنات کا حُسن ہے۔ اگر کائنات کو ایک پھول قرار دیا جائے۔ تو عورت اس کی بُو ہے اور اگر کائنات کو ایک چراغ مان لیا جائے۔ تو عورت اس کی لَو ہے۔!

جانتے ہو میں اپنے مفلوج بازو کی وجہ سے ساری عمر عورت سے محروم رہا ہوں لیکن میرے دل میں عورت کیلئے محبت کا جو جذبہ جوانی کے دنوں میں پیدا ہوا تھا۔ آج تک زندہ ہے۔ محبت میرے دل سے گزر کر ہاتھوں میں اتر آئی ہے اور میری انگلیوں کے پوروں سے چھلکتی ہے تم میری تصویروں کو کیا سمجھتے ہو؟ میں اپنی محبت کو زندہ کر رہا ہوں"

لڑکا سنجیدگی سے بولا۔ اگر میں آپ کی محبت کو تسلیم بھی کر لوں تو اس سے عورت کے حسین ہونے کا کیا جواز پیدا ہوتا ہے!

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ دراصل عورت حسین نہیں۔ محبت حسین ہے وہ رشتہ حسین ہے۔ جو مرد اور عورت کو قریب لاتا ہے عورت گھنگھور گھٹا ہے اور مرد سنگلاخ زمین، گھٹا کو برسنا چاہئے ورنہ زمین بنجر رہے گی۔ اور اگر دھرتی ہری نہیں ہوتی۔ محبت جوان نہیں ہوتی تو نئی تصویریں۔ نہیں بن سکیں گی اور مصور کا دوسرا بازو بھی مفلوج ہو جائے گا"

ایک دن بوڑھا مصور اپنے کیبن سے باہر بیٹھا اپنی نئی تصویر بنا رہا تھا۔ نوجوان لڑکا اس کے قریب ہی بیٹھا ہوا، سر اوپر اٹھا کے آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور ہر طرف گہرا نیلا آسمان پھیلا ہوا تھا۔ نیلا سمندر جو ہوا میں معلق تھا۔ اچانک بوڑھے نے لڑکے کو کہنی سے ٹھوکا دیا۔ "دیکھو دیکھو ادھر دیکھو" وہ چونک پڑا۔ سامنے والے مکان کے دروازے پہ بڑی ہوئی چلمن آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ لڑکا چلمن کو حیرت کے ساتھ

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

بغور دیکھنے لگا۔ کانپتی چلمن کے پیچھے رنگین سایہ لرز رہا تھا
دو آنکھیں باہر جھانک رہی تھیں۔

بوڑھے مصوّر نے کہا۔ جانتے ہو یہ کیا ہے؟"۔

"کیا ہے ——؟"

"اسے کشش کہتے ہیں۔ وہ کشش جو نظروں کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے۔ اس کشش سے دلوں میں روشنی ہوتی ہے۔ اور خیالوں میں پھول کھلتے ہیں۔ پھر فنکار پیدا ہوتا ہے اف فوہ تمہارا چہرہ سرخ کیوں ہے اور تمہاری مونچھ کا ایک ایک بال پھڑک رہا ہے، پہلو مت بدلو صاحبزادے یہ سب اسی کشش کا اثر ہے۔ برخوردار میں نہ کہتا تھا کہ عورت جادو ہے اور اس کی نظر، رنگوں کی پچکاری ہے کہ جہاں اس کا چھینٹا پڑتا ہے رنگین پھول کھل اٹھتے ہیں؟"

لڑکا اکتا کر بولا۔ شاعری مت کیجئے۔ میں اس لڑکی کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کی طرف دیکھنا بھی اپنے آپ پر ظلم کرنا ہے۔ یہ لڑکی نہیں آپ ہی کی کوئی تصویر ہے جسے سمجھنے کے لئے موٹی عقل چاہئے!" بوڑھا مصور گہری سانس لیکر ازل پر جھک گیا۔ "صاحبزادے تم اپنی منزل سے بھٹکے ہوئے ہو۔ مجھے تم پر ترس آتا ہے۔ ذرا چرٹ تو سلگانا!"

لڑکے نے سگار جلا کے بوڑھے کے منہ میں ٹھونس دیا بوڑھے نے چرٹ کا ایک کش لیا اور کینوس پر برش چلاتا ہوا بولا! میں نہیں مان سکتا۔ کہ تم مس لطیف سے اس قدر پیدل واقع ہوئے ہو —— بوڑھے نے منہ سے دھواں اگلا اور برش ہوا میں نچا کے پیغمبرانہ شان سے پیشین گوئی کی۔

"دیکھنا تم زیادہ دن اپنے آپ کو نظر کے جادو سے محفوظ نہیں رکھ سکو گے۔ تم جیسے احمقوں کو راہ راست پر دیکھنے کے لئے مجھے کچھ زیادہ انتظار نہیں کرنا ہوگا۔"

لڑکا سر جھکا کے ہتھیلیاں رگڑنے لگا۔

چلمن بدستور کانپ رہی تھی۔ بوڑھے نے کہا۔ صاحبزادے تم کہاں تک بچو گے وہ بہت دنوں سے تمہاری فکر میں ہے؟

لڑکا کچھ نہ بولا بوڑھے نے ایک بار پلٹ کر اس کی طرف دیکھا ..... وہ چلمن کی طرف بغور دیکھ رہا تھا

"کہو میاں خیریت —— ؟؟"

لڑکا ہنسا۔ میں یہ غور کر رہا تھا۔ کہ جناب اس لڑکی کی تخلیق میں اللہ میاں سے کچھ عجلت ہو گئی ابھی اسے ذرا کچھ اور تپانے کی ضرورت تھی بیچاری نامکمل ہی رہ گئی۔ اب اگر اس کے خاکے میں کچھ ترمیم کی جائے تو شاید یہ لڑکی معلوم ہو ورنہ فی الحال تو میرا جی یہ چاہتا ہے۔ کہ رضاکارانہ طور پر اپنی مونچھیں اس کی نذر کر دوں؟"

بوڑھا جھنجھلا گیا —— تم ہمیشہ مسخرے رہو گے؟

لڑکا بولا۔ "نہیں واقعی جناب آپنے جو صراحی بنائی تھی اس دن وہ اس لڑکی سے کہیں اچھی تھی۔ آپ نے شاید اس کے ہونٹوں کی بناوٹ پر غور نہیں کیا۔ ایسی کربناک تراش خراش ہے کہ یہ گمان ہوتا ہے۔ جیسے ابھی کراہ نکلی ہو۔ ایسے دردناک ہونٹ اور کس کے ہوں گے؟ اور ناک؟ آپ نے محترمہ کی ناک دیکھی ہے کہ نہیں۔ ماشاءاللہ ناک ہے۔ کہ نور جہاں کا طمنچہ، یہ طمنچہ بچوں کے کھیلنے کیلئے تو نہایت مناسب ثابت ہو سکتا ہے لیکن آپ یہ توقع کیسے رکھتے ہیں۔ کہ میں بیٹھے بٹھائے اپنی جان عزیز کا دشمن بنوں گا؟"

بوڑھا مصور سگار دانتوں میں دبا کر غصے سے بولا۔ "تم چغد ہو۔ جاؤ اپنے سر پر تھوڑی سی برف رکھو!"

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

لڑکا کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ بوڑھا کہنے لگا۔ "چلو ایزل اٹھا کے کیبن میں لے چلو ۔۔!"

لڑکے نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے ایزل اُٹھایا۔ پانی کی بوتلیں اور جائے کا تھرموس ساتھ لیا اور کیبن کے اندر آگیا۔ بادل گھر گھر کے آرہے تھے۔ سامنے والے مکان کے دروازے پر چلمن گہری گہری سانسیں بھر رہی تھی۔ اندھیرا ہوا تو چلمن کے پیچھے روشنی ہو گئی۔ اور دیر تک رنگین سائے تھرتھراتے رہے۔ رات کو بڑے زور کی بارش ہوئی اور کیبن کی ٹین کی چھت پر گھونگرو سے بجتے رہے آدھی رات کو اچانک بوڑھے مصوّر کی آنکھ کھل گئی۔ کیبن میں سخت اندھیرا تھا۔ اور کھلی ہوئی کھڑکی میں سے ہوا کے نم آلود جھونکے نہایت بے فکری سے اندر گھسے چلے آرہے تھے۔ بوڑھے کو پیاس محسوس ہوئی۔ حلق خشک تھا۔ اس نے لڑکے کو پکارا لیکن لڑکے نے کوئی جواب نہ دیا آخر بوڑھا اپنے بستر سے اُٹھ کر لڑکے کے بستر تک گیا۔ اس نے لڑکے کو جگانے کے لئے اندھیرے میں بستر ٹٹولا لیکن بستر خالی اور برف کی طرح سرد تھا۔ بوڑھا کیبن کی دیواریں ٹٹولتا ہوا دروازے کی طرف آیا دروازہ کھولتے ہی اسے ہوا کے ایک زوردار جھونکے نے اندر ڈھکیل دیا۔ باہر بہت تیز بارش ہو رہی تھی اور گلی میں پانی پھنکاریں مار رہا تھا۔ بوڑھا مصور اپنے بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اور لڑکے کا انتظار کرنے لگا۔ لیکن لڑکا واپس نہیں آیا حتیٰ کہ سویرا ہو گیا۔ صبح کو جب بارش تھم گئی۔ تو بوڑھا مصور کیبن سے باہر نکلا۔ سامنے والے مکان کی چلمن ساکت تھی دروازہ بند تھا۔ رات بھر کی بارش سے مکان کے قدموں پر پرندی بہہ رہی تھی۔ جس میں چلمن کا عکس پڑ رہا تھا۔ پانی بہہ رہا تھا۔ لہٰذا چلمن بھی بہتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی تھرکتی لرزتی ہوئی لیکن حقیقتاً چلمن ساکت تھی۔ چلمن کا تنفس تھم چکا تھا۔ بوڑھا مصوّر کچھ دیر کھڑا پانی میں بہتی چلمن کو بغور دیکھتا رہا۔ پھر خوش خوش بھاگتا ہوا گیا۔ اور کیبن میں سے بڑی مشکل سے ایزل اُٹھا کے باہر لایا اس کے بعد موقلموں کا ڈبہ اور رنگوں کی پیالیاں لا کے سجائیں اور پھر اپنا ایک پرانا پسندیدہ گیت گنگناتے ہوئے کینوس پر ایک نئی تصویر کا خاکہ کھینچنے لگا۔ آج اسے اپنے مفلوج بازو میں بھی ایک نئی توانائی محسوس ہو رہی تھی۔

اس دن جب بستی کے لوگوں نے اس کی نئی تصویر دیکھی تو سب کے سب ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ انہیں بہت دنوں کے بعد کھل کر ہنسنے کا موقعہ ملا تھا۔ ایسی مزاحیہ تصویریں روز روز کہاں دیکھنے کو ملتی تھیں لہٰذا موقعہ غنیمت جان کے اس دن لوگ اتنا ہنسے کے پھیپھڑوں کا سارا زنگ صاف ہو گیا۔ اس میں بوڑھے مصوّر کا کوئی قصور نہیں تھا۔ سارا فساد تصویر کا تھا۔ تصویر ہی ایسی عجیب تھی۔

گندم کا یہ بڑا سا خوشہ پلکیں جھپکا رہا تھا
بھلا گندم کا خوشہ بھی دیکھتا ہے۔
کہیں گندم کی آنکھ بھی کھلتی ہے
اور کیا کبھی گندم بھی جاگتی ہے
اب کوئی بوڑھے مصوّر سے کیا پوچھتا ۔۔۔؟

(غیر مطبوعہ)

پتہ: ۸۵ پوسٹ بکس حیدر آباد (سندھ)

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

عابد صدیق

افسانہ

عام آدمی

میں جس مکان میں رہتا ہوں

وہ ایک عام سا مکان ہے اور میرے محلے کے عام مکانوں کی طرح اُس کا دروازہ بھی ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔ میرے دائیں بائیں مختلف ہمسایوں کے مکان ہیں۔ ان سب مکانوں کے سامنے ایک لمبی سی دیوار ہے۔ جو کئی مکانوں کی پشت پناہی کرتی ہے۔ جن کے دروازے پرلی گلی میں کھلتے ہیں گویا گلی کے ایک طرف مکان ہیں۔ اور اُن کے دروازے بھی ہیں۔ لیکن دوسری طرف مکانوں کا ایک سلسلہ مفرد ہے۔ لیکن اُن کے دروازے نہیں ہیں۔

میرے ہمسائے بھی عام سے لوگ ہیں۔ ایک طرف ایک صاحب ہیں۔ جو پٹواری ہیں۔ اور اکثر دورے پر رہتے ہیں اُن کے ساتھ والے مکان میں ایک ادھیڑ عمر کی صحت مند عورت رہتی ہے جو چوڑیاں بیچتی ہے اور جس کا دروازہ محلے کی شوقین لڑکیوں اور عورتوں کو چوڑیاں پہنانے کے لئے ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ گرمیوں کی ٹھہری ہوئی دوپہروں میں گپ لگانے کے لئے بھی عورتیں اُسی کی ڈیوڑھی میں جمع ہوتی ہیں۔ اور پنچائت کا سا سماں رہتا ہے ـــــ میں جب گلی میں داخل ہوتا ہوں تو اکثر نادانستہ طور پر ادھر دیکھتا ہوں اور اپنے مکان کی طرف بڑھ جاتا ہوں ـــــ پھر دو تین مکان چھوڑ کر ایک صاحب رہتے ہیں جو ڈی سی آفس میں کلرک ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی قابلِ ذکر لوگ اس گلی میں نہیں رہتے۔

میری گلی کے مکانوں کے صحن کافی کشادہ ہیں اور لوگ گرمی کے موسم میں صحنوں کے اندر ہی چارپائیاں ڈال کر بیٹھتے ہیں۔ اور بعض فضول محلوں کی طرح شام کو چارپائیاں گلی میں بچھا کر نہیں سوتے ـــــ اس لئے گلی شام ہی سے سنسان سی ہو جاتی ہے۔

میرا محلہ بھی ایک عام سا محلہ ہے ـــــ گندے اور اکثر و بیشتر ننگے بچے صبح و شام گلیوں میں ایک دوسرے کو غلیظ اور ننگی گالیاں دیتے ہوئے گندگی اور ننگے پن کو کلچر کا مرتبہ عطا کرتے نظر آتے ہیں۔ اور میں خوش ہوں کہ عام زندگی کے کس قدر قریب ہوں۔

پتہ: لیکچرار گورنمنٹ کالج علی پور ضلع مظفر گڑھ

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

عام محلوں کی طرح میرے محلے سے بھی چند لڑکیاں روزانہ اسکول جاتی ہیں۔ میری مراد صرف انہی لڑکیوں سے ہے جو برقعہ پہنتی ہیں۔ یہ لڑکیوں بھی عام سی لڑکیاں ہیں یعنی ان کی چال میں وہ وقار اور سنجیدگی نہیں ہے۔ جس کی عام برقعہ پہننے والیوں سے توقع کی جاتی ہے — یا ہو سکتا ہے کہ مجھی کو دیکھ کر اُن کے قدم اُلٹے سیدھے پڑنے لگ جاتے ہوں — میں نے بھی یہ محسوس کیا ہے کہ میرے قریب سے گذرتے ہوئے یہ لڑکیاں خاموش ہو جاتی ہیں۔ لیکن تھوڑی دور جاتے ہی اُن کی گفتگو کی آوازیوں جھٹکوں کے ساتھ پھیلنا شروع ہو جاتی ہے جس طرح کسی دبے ہوئے اسپرنگ پر سے اچانک دباؤ ہٹا لیا جائے۔ اُن کی اس عامیانہ حرکت سے مجھے کوفت بھی ہوتی ہے آپ میری شرافت کی داد دیں گے۔ کہ میں نے ان لڑکیوں کو کبھی چھیڑنے کی کوشش نہیں کی۔

میرے محلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں یا تو سات آٹھ سال یا اس سے بھی کم عمر کے بچے رہتے ہیں۔ یا پھر پینتیس ۳۵ چالیس سال یا اس سے بھی زیادہ عمر کے بزرگ — ایسے لگتا ہے کہ آج سے دس پندرہ سال پہلے اس محلے کے لوگوں نے شادیوں کا کوئی جشن منایا ہو گا — ان بچوں اور بوڑھوں کے ماحول میں ایک میں ہی بھلا سا جوان آدمی ہوں — دو ایک لڑکے البتہ ایسے ضرور ہیں۔ جن کی بھیگتی مسوں کے سبب اُن کے لب و رخسار پر سبزی کی ایک ہلکی سی تحریر نظر آتی ہے ہو سکتا ہے کہ یہ لڑکے اگلے پانچ سات سال میں مرد بن جائیں۔ لیکن فی الحال ان کے وجود سے نسوانیت کی ایک ایسی مہک آتی ہے۔ جسے جوان آدمیوں کی میلی سی مردانہ بوننے کے لئے ابھی ایک عرصہ درکار ہے — اس لئے مجھے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔

— میں بھی ایک عام سا آدمی ہوں — ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ مجھے جوان رعنا سمجھتے ہوں — اور شام کو میرے ہاتھ میں ٹینس کا ریکٹ دیکھ کر مرعوب بھی ہوتے ہیں بہرحال میں ایک عام آدمی ہوں — اور عام آدمیوں ہی کی طرح مجھ میں ایک خرابی یہ ہے۔ کہ بچے مجھ سے بہت جلد مانوس ہو جاتے ہیں — اصولاً یہ خرابی بچوں سے منسوب ہونی چاہئے۔ کہ وہ کیوں اتنی جلد اجنبیوں سے کھل مل جاتے ہیں — یہ بچے میرے مکان کا دروازہ کھلا دیکھ کر بعض اوقات اندر گھس آتے ہیں۔ تو میں صحن میں اُن کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتا ہوں اور اپنی بساط کے مطابق قومی خدمت سرانجام دینے کے لئے اُن سے پاکستان کا قومی ترانہ سنتا ہوں جسے وہ لہک لہک کر گاتے ہیں۔ پھر میں انہیں ایک ایک ٹافی دے کر رخصت کر دیتا ہوں — اس قومی خدمت میں — دیگر قومی خدمتوں کی طرح — مجھے بھی ایک ذاتی منفعت حاصل ہوتی ہے — وہ یہ کہ اکثر اوقات بچے مجھے گلی میں داخل ہوتا دیکھتے ہی "پاک سرزمین شاد باد" کا شور مچانے لگتے ہیں جس سے محلے کے بعض لوگوں کو میری آمد کا پتہ چل جاتا ہے۔

اپنے حسن سلوک کی روائت کو برقرار رکھنے کے لئے مجھے اکثر ٹافیاں خریدنا پڑتی ہیں۔ اور بازار جانا پڑتا ہے۔ پروویژن سٹور والا اب میرا اچھا خاصا قدردان ہو گیا ہے — وہ سوچتا ہو گا کہ میرے دو ایک خوبصورت سے بچے ہوں گے۔ جن کے لئے میں آئے دن ٹافیاں خریدتا رہتا ہوں — حالانکہ میری ابھی شادی نہیں ہوئی — لیکن میں نے — عام آدمیوں کی طرح تھوڑا سا جھوٹ بول کر یہ مکان کرایہ پر لیا تھا۔ میں نے پڑوسیوں کو بتایا کہ میری شادی ہو چکی ہے۔ اور میرا ایک بچہ بھی ہے جس کی عمر تین سال کی ہے۔ لیکن میری ساس میری بیوی کو میرے پاس نہیں بھیجتی اور خاندان بھر میں فتنہ برپا کئے ہوئے ہے۔ اس جھوٹ کا فائدہ یہ ہوا۔ کہ مجھے مکان کے ساتھ ساتھ پڑوسیوں کی ہمدردیاں بھی حاصل ہو گئیں۔

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

ایک دن میں ٹینس کھیل کر کلب سے سات بجے ہی گھر پہنچ گیا۔ صحن میں کرسیاں اور چارپائی بچھائی ریڈیو کا سوئچ آن کیا۔ اور کتاب کھول کر بیٹھا ہی تھا۔ کہ تھوڑی دیر میں اُنہیں ٹانی والے بچوں میں سے ایک نسبتاً صاف ستھرا بچہ — امجد — داخل ہوا — اور مجھے دیکھکر اُلٹے پاؤں واپس مڑا۔ دروازے میں کھڑے کھڑے اُس نے باہر گلی میں کسی سے کہا "اکیلے ہی ہیں" — پھر تھوڑی دیر کے بعد چوڑیوں والی مائی اور ایک برقعہ پوش لڑکی اُس بچے کے پیچھے پیچھے داخل ہوئی — میں احتراماً کھڑا ہو گیا۔ اُنہیں کرسیاں پیش کیں — جن پر وہ لوگ بیٹھ گئے۔ پھر میں نے مائی سے پوچھا —

"ماں جی کیسے تکلیف کی؟"

وہ کہنے لگی — "پتر ایہہ کچہری والے باؤ دی کالی اے ایہدی ماں بیمار اے۔ ایہہ اے اپنے نوں تار دے دے۔"

میں نے لڑکی سے پوچھا "تار فارم ہے آپ کے پاس؟"

"جی نہیں"

"کہاں گئے ہیں آپ کے ابا جی؟"

"بہاول پور"

"اُن کا ایڈریس؟"

لڑکی نے ایک چھوٹا سا کاغذ کا ٹکڑا اور پانچ روپے کا ایک نوٹ مائی کو دیا — اور میں نے عام آدمیوں کی طرح — تھوڑے سے تکلف کے بعد مائی سے وہ پانچ کا نوٹ اور کاغذ کا ٹکڑا لے لیا۔

"تار کے نیچے نام کس کا لکھوں؟"

لڑکی کرسی پر اور سمٹ گئی — اور مائی نے کہا "ایہدا ای لکھ دیئو — فرحت"

میں نے "بہت اچھا" کہا۔ اُنہیں رخصت کیا۔ [illegible] تبدیل کئے۔ اور تار گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔

تار گھر سے واپسی پر اُسی پرووِژن سٹور والے نے مجھے سلام کیا اور میں رُک گیا۔ دراصل میں کسی سے باتیں کر کے تار کی ہرنا چاہتا تھا۔

"ٹافیاں دوں رضوی صاحب؟"

"ہاں ایک ڈبہ دے ہی دیجئے — پھر میں یونہی بولتا رہا۔ "اب برسات آنے والی ہے ڈر تا ہوں کہ بچوں کا خون خراب نہ ہو جائے اور پھنسیاں نکلنے لگیں"

"ہاں جی یہ تو ٹھیک ہے۔ برسات میں بلکہ ٹھیک رہیں گے"

"ہاں — بلکہ ٹھیک رہیں گے — یہ مجھے بیٹے میں ڈبہ لے کر آ گیا — امجد کو تھما دی — باقی پیسے اور رسید حوالے کی۔ والدہ کی خیریت دریافت کی۔ ڈاکٹر بلوانے کے بارے میں پوچھا — دروازے کے پیچھے سے آواز آئی۔

"جی شکریہ — وہ ائی تو دن ہی میں سنبھالی تھی۔ وہ تو شام کو اچانک طبیعت خراب ہو گئی۔ اب آرام میں ہیں۔

اچھا اب میں جاتا ہوں ضرورت پڑے تو بلوا لیجئے گا۔

"جی بہت اچھا"

اگلے دن شیخ جمیل الدین صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا۔ وہ بتاتے رہے کہ دو سال ہوئے جب اُن کا تبادلہ بہاول پور سے یہاں ہوا تھا۔ اُسی زمانے سے اُن کے [illegible] بے ایک کیس چل رہا ہے۔ جس کی تحقیقات کے سلسلے میں گواہی وغیرہ کے لئے اب تک کبھی کبھی اُنہیں [illegible] جانا پڑتا ہے

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

منشور رانا

کنک بہتی رہی

۱ کنک کے بوجھل سمٹ سمٹا کر آنگن میں چکنی مٹی سے اُساری ہوئی بوگیوں ایسی دائرہ وت بھڑولیوں میں سما جاتے ـــ اور تھکا ماندہ رحیمو جیٹھ ہاڑ کی تپتی ہوئی طویل دوپہروں کو گاڑھی لسی کا ہاتھ بھر لمبا گلاس ڈکارتے ہی ایک آدھ الٹی ڈکار لیتا اور شہادت کی انگلی سے اوپری ہونٹ کے کناروں پر لگی چھدری اپنی سائے دار مونچھوں پر جھیڑ کر دھلائی کٹائی سے مکمل بنی کورے لٹھے کی چادر اوڑھ ـــ ایک ہی بار سو جاتا ـــ تو اس سمے پورے گاؤں پر کٹھیلوں، چھابڑیوں اور برف لدی تھرڈ کلاس بھر کو لبیں سائیکلوں کا ریلا سا امڈ آتا ـــ سکرین ملی برف کے رنگ دار لڈو گولے اور قلفیاں ٹپکتے ہوئے بد ذائقہ خربوزے اور متیرے، اڑھیلی مری ککڑیاں اور تربوز۔ کیڑہ لگے امرود اور دھوپ میں پلپلائے کچے پکے پیلی آم ـــ پھر آنگن میں چکنی مٹی سے اُساری ہوئی بوگیوں ایسی دائرہ وت بھڑولیوں کی کنک ٹھیلوں کی طرف تیزی سے بہنے لگتی ـــ عورتوں بچوں کی بھری جھولیاں اور پلو بھرنے لگتے ـــ اور پھیری والوں کی بانجھ خورجینیں ایکا ایکی پھول کر نو ماہ کے پیٹ میں بدل جاتیں ـــ اس طرح ہوکوں کی تڑپتی صدائیں معلق ہو کر بند ہو جاتیں۔

دیواروں کے سائے ڈھل کر پورب کی جانب ٹھیک ٹھیک کھسکنے لگتے ـــ اور گاؤں کی زندگی ایک بار پھر رینگنے لگتی!

'لے لو گگھو گھوڑے، نے، ہے، ے، ا۔'

رحیمو کی گلی میں اچانک بچوں کا گیت فضا میں پھیل جاتا ـــ سہ پہر کی نیم گرم ہوا رکنے لگتی ـــ اور درختوں کے پتے ہولے ہولے تال دینے لگتے ـــ

پتہ:۔ ۳۴۳ ساجد کالونی بہاولنگر

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

وہ سر پر مونج اور کانوں کی گول سی پٹاری جمائے قدرے پھیلی ہوئی مضبوط کمر اور نیچے گری ہوئی بانہوں کی سبک لیفٹ رائٹ سے اپنی چال میں توازن پیدا کرتی سیدھا احاطے میں چلی آتی — پھر دونوں ہاتھوں سے پٹاری سر سے اتار نیچے رکھ دیتی اور بڑے بڑے پھولوں والے ٹھکے ہوئے میلے کچیلے گھگرے کو پیچھے کی اور ہٹاتے ہوئے گرد آلود زمین پر کچھ اس انداز سے پھسکڑا مار کر بیٹھ جاتی۔ کہ اس کے جاتے ہی احاطے کے لڑکے بالے اس جگہ اونٹ کے پاؤں کا مکمل نقش دیکھ کر حیرت اور مسرت کی عجیب سی ملی جلی کیفیت محسوس کرتے —

لے لو گھگو گھوڑے اے اے!!

تپائی ہوئی مٹی کا کٹوری نما بنڈا گھوڑی کے لمبے لمبے بالوں کی مدد سے کانے کی پور کے گرد گھومتا، تو اس سے نکلنے والی زیں زیں، کی آواز رحیمو کے بالک کے دل میں لپکا سا ڈال جاتی، وہ اپنی ماں کے آگے دیوار بن جاتا۔ اس کے جھگے کا پلو پکڑ کر دو چار ہبکے مارتا — تو وہ بیچاری دھات کی طرح پگھل جاتی۔

اور آنگن میں چکنی مٹی سے اساری ہوئی بوگیوں ایسی واٹر پروف بھڑولیوں کی کنک کھلونوں بھری پٹاری کی طرف تیزی سے بہنے لگتی —

احاطے کے چھوڑ بال مٹی کے انگھڑ کھلونوں پر مٹے مٹے جاتے —

آنگن میں چھلکے، گٹھلیاں اور بیج — اور مٹی کے ٹوٹے پھوٹے کھلونے بکھرے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے رحیمو کے چہرے پر بدل دائی سی ہوتی، لیکن دوسرے ہی لمحے بن برسے چھٹ بھی جاتی —

اور پھر — اب کے برس جب دکھنی ہوا نے زور باندھا اور رحیمو نے کنک کے گاہے پیڑ میں ترنگل ڈالی — تو اڑتی ہوئی توڑی اور کرتے ہوئے موتی ایسے دانوں کی اوڑھنی سرک گئی — نکی بہن کا تر کی طرح بڑھتا قامت اس کی نظروں کے سامنے لہرا سا گیا — ترنگل پر ہاتھ کی گرفت ذرا کی ذرا ڈھیلی پڑ گئی — عربی کے الفاظ اس کے کانوں میں گڈمڈ سے ہو گئے — ڈھولک کی تھاپ پر ایڑھی کی دھمک ابھری اور ابھر کر ڈوب گئی — ترنگل ایک بار پھر پورے زور شور سے چلنے لگی — توڑی اڑنے لگی — اور موتیوں ایسے دانے کرنے لگے۔!

بیساکھ گیا، جیٹھ آ لگا — تپتے ہوئے دن ربڑ کی طرح پھیل کر بڑھ گئے —

زندگی گاؤں سے سمٹ کر کھلیانوں میں پھیل گئی — کنک کٹنے لگی اور ڈھیریوں میں بٹنے لگی — رحیمو کی کنک ڈھیریوں سے سمٹ کر بوہل میں تبدیل ہو گئی — ٹھاپی نے اس کے چاروں طرف ٹھپے لگا دیئے — رحیمو کی کاٹھی ایکا ایکی سیدھی ہو گئی — لیکن ٹھیکہ تار نے، نکی بہن کا بیاہ کرنے اور دوسری چھوٹی موٹی حاجتیں پوری کرنے کے لئے اسے پیسے کی لوڑ تھی — کاٹھی ایک بار پھر جھک گئی —

ٹھپے اکھاڑ دیئے گئے — اور کنک گڈوں میں بھر بھر کر آڑھتی کی دوکان کی طرف تیزی سے بہنے لگی۔

آنگن میں چکنی مٹی سے اساری ہوئی بوگیوں ایسی واٹر پروف بھڑولیوں کے منہ لٹک گئے۔ جیسے اچانک بچہ کے منہ سے کسی شریر کوے نے نوالہ اچک لیا ہو!

نئی فصل آئے پانچ مہینے بھی نہیں ہوئے تھے۔ کانک چڑھا اور کنک کے دام بھی چڑھنے لگے۔ رحیمو کے پاس پیسے آئے بھی، لیکن پر لگا کر اڑ گئے تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گئے۔ بیساکھ کا منظر گھوم گیا — اڑتی ہوئی توڑی اور

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

کرتے ہوئے موتیوں ایسے دانے اور پھر آڑھتی کی دکان کی طرف کنک بھرے، بہتے گڈے!
پر آج مکئی کی آخری بوری بھی دم توڑ چکی تھی۔
رحیمو نے خالی بوری اٹھائی اور آڑھتی کی دکان کی طرف بہنے لگا۔

بھاؤ

تیس روپے من!
پر تم نے تو مجھے ایک من پیچھے کل ساڑھے چودہ روپے دیئے تھے!
"ہاں سمے سمے کی بات ہے — کہو ٹھیک ہے نا"
اور جواب میں رحیمو کی ہتھیلی سے میلے میلے نوٹ زنگ آلود تجوری کی طرف بہنے لگے۔

انصاف
بوٹ
ہاؤس
چوک بازار
بہاولپور

زنانہ، مردانہ
بچگانہ
ہر قسم کے
مضبوط، پائیدار
جوتے
دام
انتہائی مناسب

بہاولپور ڈویژن میں
"ٹیلی ویژن"
تو ابھی نہیں آیا
البتہ
ہر قسم کے
ریڈیو
اور
پرزہ جات
دستیاب ہیں
نیز — ریڈیو کی مرمت تسلی بخش ہوتی ہے
ریڈیو پیلس، ریلوے بازار، چشتیاں

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

رؤف رونق

غیر مطبوعہ

چاند کا داغ

وہ عاصمہ کو بہت چاہتے تھے۔ عاصمہ ان کی اکلوتی بہن تھی۔ اور وہ اُن کو دل و جان سے چاہتی تھی گھر کا سارا کام کاج امی نے عاصمہ ہی کے سپرد کر رکھا تھا اور وہ نہایت خوش اسلوبی سے گھر چلا رہی تھی۔ مشرقی لڑکیوں کی طرح باحیا اور سنجیدہ طبیعت لڑکی تھی۔ واجبی سی تعلیم اور معصومانہ حسن نے اسے سادہ دل اور نیک سیرت بنا دیا تھا۔ مگر غربت کی دیوار کے اس طرف کوئی اس کے لئے مشتاق نگاہ جھانکتا بھی نہیں تھا۔

وقت کی بات ہے وہ نہ جانے کہاں کیا کچھ نہ تھا سلوت و دولت شان و شوکت لوگ جا کر بھی کچھ تو تھا۔ وہ دل آیا تو یوں کہ شرافت اور عزت کے پردے کر بدحال زمانہ کے آشوب کی تیز دھوپ اور آندھی سے بچانا مشکل ہو گیا۔

باپ انگریز حکومت کے خلاف سازش کے الزام میں پکڑے گئے۔ اور عتاب کا دھارا عزت جائداد اور خوشحالی سب کچھ بہا لے گیا۔ اور آج عاصمہ کی ماں اپنے دو بچوں عاصمہ اور اچھے مرزا کے ساتھ اس آخری موروثی نشانی حویلی میں سر چھپائے چار کمرے کرائے پر اٹھا کر زندگی کے دن پورے کر رہی تھیں۔ یہ احساس ایک پتھر کی طرح چھاتی پر رکھا رہتا تھا۔ کہ عاصمہ کی مانگ میں ایک دو چاندی کے تار سے کبھی کبھی جھلک اٹھتے ہیں اور حویلی کی دیواریں اونچی ہو جاتی ہیں۔ اونچی بہت اونچی۔

اچھے مرزا کی شادی بہن کے ہاتھ پیلے ہونے سے پہلے کیسے ہو سکتی تھی؟ اچھے مرزا ابھی بہت نیک اور مضبوط کردار کے مالک تھے۔ یہ موروثی اوصاف تھے۔ جسے کے بڑے بوڑھے اُن کی مثال دے کر اپنے چھوٹوں کو نصیحت

پتہ: نشتر، پوسٹ آفس ریلوے کچہری سکھر

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

کرتے تھے۔ مصائب کی تمازت بھی اچھے مرزا کی وجاہت کو پژمردہ نہ کر پائی تھی۔ وہ مردانہ حسن و وقار کا مکمل نمونہ تھے۔

جوان آدمی تھے ـــ حسن کا اثر اُن کے دل و دماغ پر بھی وہی ہوتا تھا ـــ جو دوسروں پر ہوتا تھا۔ اور اُن کے دوست تو سب کے سب خاصے شوقین مزاج تھے۔ مگر اچھے مرزا نے اپنی نوابانہ فطرت کو شرافت تلے دبا دیا تھا ـــ باپ کا سایہ سر سے اٹھنے پر وہ عاصمہ کے باپ بن گئے تھے اُس کی عزت و عصمت کا خیال ہمیشہ ان کو دوستوں کے ساتھ غلط قدم اُٹھانے سے روک دیتا تھا۔ لڑکیوں کی طرح سر جھکائے گلیوں سے گذر جاتے تھے۔ عاصمہ کی پاکدامنی پر انہیں فخر تھا ـــ وہ جلدی سے اس کی شادی کر دینا چاہتے تھے۔ تاکہ اس آخری فرض سے بھی سبکدوش ہو سکیں۔ دوستوں نے اکثر انہیں گانا سنوانے کے لئے لے جانا چاہا۔ مگر وہ اس معاملے میں چٹان تھے۔ دوست پرانے تھے۔ اور ان کی خاندانی روایت انہی باتوں پر مشتمل تھی۔ مگر اچھے مرزا تو جیسے بالکل فرشتے بن گئے تھے ـــ انہوں نے الماس کو نواب آصف کی شادی میں دیکھا بھی تھا۔ آواز کی تانوں اور جسم کے زاویوں نے اُن کی طبیعت کو پل بھر کے لئے گدا گدایا بھی تھا۔ مگر خاندانی شرافت کی چٹان تلے جیسے اُن کے جذبات دب کر مر چکے تھے۔ اچھے مرزا خود مر چکے تھے لیکن عاصمہ کی خاطر وہ مر کر بھی خوش اور مطمئن تھے۔

اُن کے دوستوں نے اپنی سی کوششیں کر دیکھیں مگر اچھے مرزا ٹس سے مس نہ ہوتے۔

اگر کبھی الماس کا پرکشش جسم ان کے تصور کے پردے پر اُبھرتا بھی تو ایک دم عاصمہ کا ہیولا سا الماس کے اور ان کی سوچ کے درمیان آ کھڑا ہوتا۔

وہ ایک جھری جھری سی لیکر چونک کر چور نظروں سے چاروں طرف دیکھتے جیسے چوری کرتے پکڑے جانے کا خوف ہو ـــ

اُن کے دوست اکیلے میں اُن پر ہنستے۔ کہ جوانی میں اپنے اوپر بڑھاپا طاری کر لیا ہے۔ بڑھاپے میں جوانی کے رنگین دنوں اور پر کیف لمحوں کو یاد کر کر کے روئیں گے اچھے مرزا اور

جو جا کے نہ آئے وہ جوانی دیکھی
جو آ کے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھی

حامد میاں نشے کی ترنگ میں ہاتھ لہرا کے تان اُڑاتے

آج اچھے مرزا شام ہی سے کچھ مضطرب سے تھے۔ اور خلاف معمول جلدی گھر کی طرف چل پڑے۔ جانے کیوں اُن کا دل آپ ہی آپ بیٹھا جا رہا تھا اُن کے دوستوں کا پروگرام الماس کے گانے کا تھا۔ بالاخانے کے نیچے کھڑے ہو کر دوستوں نے زبردستی کی اچھے مرزا نے مان کے نہ دیا ـــ اور ہاتھ چھڑا کر تیز تیز قدموں سے گھر کی طرف چل دیئے۔

ڈیوڑھی کے قریب پہنچے تو سرگوشیوں کی آواز سنائی دی ـــ اُن کے پاؤں کی چاپ میں سرگوشی کی آواز دب گئی ـــ اور گہری خاموشی چھا گئی ـــ اچھے مرزا ایک طرف اندھیرے میں دیوار سے لگ کر کھڑے ہو گئے دبی دبی آواز سنائی دی کوئی آ رہا ہے کہیں بھائی جان نہ ہوں ـــ غضب ہو جائے گا۔ کل پہر اسی وقت بھولنا مت۔ اچھے مرزا نے عاصمہ کی آواز پہچان لی پہلے دنوں کے چاند کی ملگجی سی چاندنی میں انہوں نے ایک سائے کو ڈیوڑھی سے نکل کر گلی کے اندھیرے میں تیرتے دیکھا ـــ

اچھے مرزا کے جسم سے جیسے کسی نے جان نکل لی ہو ـــ بیس برس سے سنبھال سنبھال کر رکھا ہوا۔

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

عزت اور خاندانی وقار کا آبگینہ آج یوں گر کر چور چور ہوا تھا۔ کہ اُس کے ٹکڑے اگر اچھے مرزا چکوں سے بھی چن چن کر اٹھانا چاہتے تو نہ اُٹھا پاتے ان کے عزائم ان کی شرافت ان کی امیدوں کی حویلی آج زمیں بوس ہو چکی تھی ۔ عاصمہ کے کردار کے چاند میں داغ دیکھ کر ان کو شرافت ایک کھوکھلا لفظ اور کردار خاندان عزت وقار ناموس عصمت پاک دامنی ایسے جھوٹے کھلونے معلوم ہو رہے تھے ۔ جن سے آج تک وہ خود کو بہلاتے رہے تھے

وہ ایک دم پلٹ پڑے ۔ ان کے قدم گانے کی آواز کی لہروں کے سہارے بڑھتے گئے ۔

. . . . حویلی سے دور ۔۔۔ الماس کے کوٹھے کی سیڑھیوں پر پاؤں رکھنے سے پہلے وہ ایک لمحے کو ٹھٹکے ۔ عاصمہ کا وہی ہیولا ان کی راہ میں آ کھڑا ہوا ۔ اور وہ اُس ہیولے کو پاؤں تلے روند کر تیزی سے ایک ہی سانس میں بالا خانے کی سیڑھیاں چڑھتے اور کردار کی سیڑھیاں اُترتے چلے گئے ۔

عرشؔ صدیقی

کے نقطے سے ہر آنکھ دیدۂ یعقوب کی حیثیت رکھتی ہے ۔ جسے ہمہ وقت اپنے یوسف کی تلاش رہتی ہے

دیدۂ یعقوب

عرشؔ صدیقی کی اُن غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جن میں وہ واقعی ہمارے عہد کے یعقوب کے روپ میں ابھرے ہیں اور جن کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نالہ ہائے اجگر درد آفریں مگر دلنواز نظموں کے سانچوں میں ڈھل گئے ہیں

قیمت :- چار روپے

جدید ناشرین ۔ چوک بازار لاہور

اختر انصاری اکبر آبادی

کے ادبی اور تنقیدی مضامین

دوسرا مجموعہ

جمال آگہی

شائع ہو گیا

قیمت :- تین روپے پچاس پیسے

ناشر :- حلقۂ ارباب فکر

پوسٹ بکس ۸۵ حیدر آباد (سندھ)

شام اور سائے

ڈاکٹر وزیر آغا کی نظموں کا پہلا مجموعہ

وزیر آغا اردو کے علامت پسند شعراء کی صفِ اول میں شامل ہیں ان کا کلام تہہ داری کی اس خصوصیت سے ہم آغوش ہے ۔ جو ہر دور میں بڑی شاعری کی جان رہی ہے

عارف عبدالمتین

قیمت دو روپے

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

افسانہ

اقبال خالد

"ہے سنتھ" کے پھول

ل یونانی متھالوجی میں اسکی تعریف یوں کی گئی ہے کہ ایالو کو ہے سنتھ سے محبت بھی جب ہے سنتھ کی موت واقع ہو گئی تو ایالو بیٹھا رو رہا تھا۔ اُسکے اشک زمین میں جذب ہوتے رہے کچھ دن بعد ایک پودے نے وہاں سے سر اُبھارا اور اس میں ارغوانی رنگ کے پھول کھل گئے یہ پھول بہت خوبصورت اور ایک قسم کی اداسی لئے تھے۔ چنانچہ ان کا نام "ہے سنتھ" قرار پا گیا۔ چنانچہ یونانی متھالوجی میں "ہے سنتھ" امر پربت پچھتاوے کا سمبل سمجھا جاتا ہے۔

"آپ اتنی دیر سے پانی میں کیا دیکھ رہے ہیں؟"

فریدہ اُس کے انہماک اور خاموشی سے تنگ آ چکی تھی "آں، کچھ نہیں ——— اولیس کی آنکھوں کے سامنے فریدہ اور ناز کے نقوش ایک دوسرے میں گڈمڈ ہو گئے اور ماضی کی یادیں ذہن میں سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ فریدہ نے ہنستے ہوئے اسکی جانب دیکھا اور پھر سوئیٹر بنانے میں لگ گئی اور اولیس "ٹیمز" کے گہرے پانیوں میں لکڑیاں پھینکتا ہوا فریدہ کا عکس دیکھنے لگا۔ وہ آج سے چار سال پیچھے لوٹ گیا جب وہ ایف اے میں پڑھتا تھا۔ تب ایک پیاری سی لڑکی اُس کے کالج کے سامنے سے گذرا کرتی تھی۔ دو دونوں عموماً جی پی او کے پاس ایک دوسرے کے پاس سے گذرا کرتے۔ وہ نقاب الٹ دیتی اور اولیس آنکھیں نیچی کر کے گذر جاتا۔ مگر ایک بھرپور نظر ضرور ڈال لیتا۔

Back Combed بال اسکے سلونے چہرے کی خوبصورتی کو دوبالا کر دیتے اور نقاب میں سے جھانکتی ہوئی شربتی آنکھیں اولیس کی آنکھوں جھکنے پر مجبور کر دیتی تھیں

اس طرح ڈیڑھ سال بیت گیا اولیس بی اے میں پہنچ گیا اولیس کو کچھ کتابوں کی ضرورت تھی۔ مگر وہ کتابیں نہ تو بازار میں ملتی تھیں اور نہ ہی لائبریری میں۔ کسی نے اسے بتایا۔ کہ وہ کتابیں۔ گرلز کالج کی لائبریری میں ہیں۔ اولیس نے اپنی ایک کزن سے وہ کتابیں دلانے کو کہا۔ اگلے دن وہ اولیس سے کہنے لگی۔

"بھیا۔ ہماری مس آپ کو بلا رہی تھیں کہ جو کتب چاہئیں آ کر خود لے جائیں۔ اور شاید وہ آپ کو کچھ اور کتب بھی دلا دیں" اگلے دن وہ گرلز کالج پہنچ گیا اتفاق سے وہی لڑکی وہاں دفتر کے باہر مل گئی۔ وہی بیک کو مبڈ بال اور نیم باز سی شربتی آنکھیں اولیس نے اُسی سے کہدیا۔ کہ ذرا تکلیف کر کے مس شہناز کو بلا دیں۔

"آپ شبنم کے بھائی اولیس ہیں نا؟" وہ ہنستے ہوئے بولی "جی جی ہاں" وہ ذرا گھبرا سا گیا۔

"آئیے پھر آپ کو مس شہناز سے ملوا دیں" یہ کہکر وہ اولیس کو لائبریری میں لے گئیں۔ لائبریری ان کو دیکھکر اُٹھ کھڑی ہوئیں "آئیے مس شہناز۔ کیسے تکلیف فرمائی؟" اور

پتہ: C/O یونائیٹڈ انشورنس بہاولپور

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

اویس حیران رہ گیا۔ کہ یہ ذرا جتنی چھوکری۔

مس شہناز کیونکر ہو سکتی ہے۔ یہ لڑکی جو ایف اے یا زیادہ سے بی اے کی طالبہ لگتی ہے۔ لڑکیوں کو انگریزی ادب کیسے پڑھاتی ہوگی۔ مگر شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی لہذا مانتے ہی بنی۔

اویس نے کچھ کتابیں لکھ کر دیں۔ جو کہ فوراً ہی مل گئیں۔ "اور کوئی خدمت!" مس شہناز نے کہا۔

"جی نہیں بڑی نوازش ہے آپ کی۔ شکریہ" اویس نے کچھ شرمندگی سے کہا کہ آئندہ کبھی تکلیف ہو تو بے جھجک آجایا کریں۔ انہوں نے کہا اور اویس سلام کر کے واپس آگیا۔

یہ ملاقاتیں یونہی بڑھتی رہیں۔ اویس کتب لینے جاتا۔ کتابیں نکال کر دیکھتا رہتا اور وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھا کرتیں۔ پھر کچھ دیر بعد انہوں نے ہوسٹل چھوڑ دیا۔ اور ماڈل ٹاؤن میں ایک مکان لیکر رہنے لگیں اویس وہاں بھی ان سے ملنے جایا کرتا۔

اویس کے کالج انگلش لٹریچر سوسائٹی کا سالانہ فنکشن تھا۔ وہ سوسائٹی کا نائب صدر تھا۔ اُس نے اپنے پروفیسر خان صاحب سے کہا "سر اگر آپ مناسب سمجھیں۔ تو گرلز کالج کو مدعو کر لیں؟"

"حرج تو کوئی نہیں۔ آپ کی کوئی واقف ہوں تو بلوا لیں ویسے وہ لوگ شاید ہی آئیں" خان صاحب نے اجازت دے دی۔ اور اویس شام کو مس شہناز کے مکان پر گیا۔ انہیں دعوت نامہ پکڑا دیا۔

"اچھا۔ تو فنکشن ۱۲ کو ہے اور آج سات تاریخ ہے ٹھیک ہے۔ ہم لوگ ضرور آئیں گے۔ بہت بہت شکریہ" اویس آنے لگا۔ تو انہوں نے حسب معمول روک لیا اور چائے بنانے لگیں۔ اویس نے ان کی مدد کرنے کے لئے کہا۔ تو بولیں نہیں اویس! تم آرام سے بیٹھو۔ تکلیف ہوگی تمہیں چائے تو میں پانچ منٹ میں بنا لوں گی"۔

چائے بنا کے انہوں نے کپ اویس کو پکڑا دیا۔ وہ چائے پیتا رہا اور مس شہناز اسکی طرف دیکھا کیں۔ ان کی چائے پڑی ٹھنڈی ہوتی رہی . . . . . حسب سابق!

اویس ان کی نظروں سے گھبرا کر چائے کے بڑے بڑے گھونٹ لینے لگا۔

۱۲ کو فنکشن پر وہ لوگ آئے۔ دو لیکچرارز اور تین لڑکیاں — تقاریر ہوتی رہیں۔ آخر میں مس شہناز نے کیٹس کی شاعری پر ایک سیر حاصل تقریر کی۔ انکی تقریر میں اسقدر شیرینی۔ چاشنی اور [illegible] تھی کہ سب لوگ ہمہ تن گوش بنے بیٹھے تھے۔ ان کی تقریر کے بعد سامعین ان کی قابلیت کے خاصے معترف اور معتقد ہو چکے تھے۔

بی اے کے امتحان میں دو ماہ رہ گئے۔ تو ایک دن انہوں نے اویس سے پوچھا "تمہیں کوئی دقت تو پیش نہیں آئی پڑھائی کے سلسلہ میں!" "جی بس کبھی کبھار کچھ پرابلم پیدا ہو ہی جاتی ہے۔" اویس نے جواب دیا۔

"یوں کرو! تم میرے پاس آجایا کرو کچھ وقت کے لئے پڑھا دیا کروں گی تمہیں" انہوں نے کہا وہ اویس کو انگریزی ادب اور سوشیالوجی پڑھایا کرتیں۔ دو ماہ میں انہوں نے اویس کو اتنا کچھ پڑھا اور سمجھا دیا تھا کہ جو وہ اپنے پروفیسروں سے دو سال میں نہ پڑھ پایا تھا۔ وہ بڑی محبت اور لگن سے پڑھاتیں

مگر اویس کو ایک بات سے بڑی الجھن ہوتی تھی کہ وہ اسے کیوں اس طرح گھور گھور کے دیکھا کرتی ہیں۔ وہ سوچا کرتا کہ وہ اس سے اتنی بڑی ہیں۔ پھر بھی کہتی ہیں۔ کہ ان کو مس نہ کہا کرے۔ صرف ناز کہکر بلایا کرے۔ کہنے کو تو اویس ان کو ناز کہکر بلا لیتا مگر اسے کچھ عجیب سا محسوس ہوتا۔ وہ ان کی نظروں سے پریشان ہو جاتا کہ وہ آخر چاہتی کیا ہیں۔ ان کی [illegible] اور خلوص کس قسم کا ہے اور پھر سب سے بڑھکر یہ کہ وہ اس [illegible] چاہت اور عنایت کا مرکز کیوں ہے۔

ایک دن کچھ لڑکیاں ان سے ملیں ان میں شبنم اور

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

فریدہ بھی شامل تھیں کہنے لگیں "مس امتحان میں ایک ماہ رہ گیا ہے۔ آپ کچھ وقت نکالکر ہمیں انگلش پڑھا دیا کریں"

"Sorry - مجھے فرصت نہیں ہوتی" انہوں نے لڑکیوں کو ٹرخا دیا۔ پھر فریدہ ایک اور لڑکی کو ساتھ لیکر ان سے ملی کہ وہ ٹیوشن پڑھنا چاہتی ہیں۔ مس شہناز نے ان کو پھر ٹرخا دیا۔ کہ ان کے پاس اسقدر وقت نہیں ہوتا۔ ویسے بھی وہ کسی کو نہیں پڑھاتیں۔ فریدہ بہت چڑی اور آکر شبنم سے بہت لڑی کہ ——

"واہ خوبصورت بہت ہیں نا اور قابل بھی۔ اسی لئے اپنے اوپر اسقدر ناز کرتی ہیں۔ ہمیں تو ٹیوشن بھی نہیں پڑھاتیں اور تمہارے بھائی کو ویسے ہی بلاکر پڑھاتی ہیں۔ اُسے کتابیں بھی تو دلاتی ہیں۔ لائبریری سے اور ایک دن ہم نے ورما کی کمپوزیشن مانگی دو دن کے لئے تو صاف انکار کر گئیں۔ کہ کتاب فارغ نہیں ہے۔ ہونہہ۔ بڑا غرور ہے اپنے پر۔ اور پھر اویس میں کونسے سرخاب کے پر لگے ہیں۔ جو اتنی دیر اسے گھر بیٹھائے رکھتی ہیں۔ اور کسی دوسرے سے تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتیں۔ اویس سے تو جیسے شادی کریں گی نا" شبنم اور وہ ہنس پڑیں

ان سے انگریزی ادب اور سوشیالوجی پڑھ پڑھ کے اویس نے بی اے کا امتحان دیدیا پھر فرصت ہی فرصت تھی۔ کچھ دن بعد ناز اپنے گھر قصور چلی گئیں۔

اویس سے وقت گذارے نہ گذرتا۔ اُسے دن کاٹ کھانے کو دوڑتا اور آخر تنگ آکر ایک دن وہ قصور روانہ ہو گیا۔ وہ اسے دیکھکر حیران رہ گئیں اور خوش بھی بہت ہوئیں

اویس وہاں ایک ہفتہ رہا اور ان دنوں میں انہوں نے اسکی اتنی خاطر تواضع کی۔ کہ وہ آکے شرمندہ ہوا جب بھی آنے کو کہتا وہ ایک دن اور کہکر روک لیتیں۔ آنے کو اس کا جی بھی نہ چاہتا تھا۔ اور وہ سوچا کرتا کہ کاش وہ اسے اسی طرح روکتی رہیں۔ وہ کبھی واپس نہ آئے

اویس بہت سوچا کرتا کہ یہ محبت اور چاہت کس قسم کی ہے وہ ان کو دیکھکر یوں خوش اور مطمئن ہو جاتا کہ جیسے دو جہاں کی دولت مل گئی ہو۔ اور وہ ان کی تو حالت ہی عجیب تھی۔ بیٹھی اُسے تکا کرتیں۔

اویس کے ایک عزیز نے نفسیات میں ایم اے کیا ہوا تھا۔ اُس نے ان سے تمام ذکر کیا۔ انہوں نے بہت کچھ سوچنے کے بعد کہا "ناز میں مامتا کا جذبہ بہت زیادہ ہے۔ اور یہ کافی حد تک ہے۔ وہ اپنے جذبے کی تسکین اسی طرح کر لیتی ہیں اور رہے تم، تو یہ محض Self ہے۔ اور کوئی جذبہ نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کسی قسم کے کا شکار نہ ہوتے پھرو۔ ان سے کہہ سنکر ان کی شادی کروا دو۔ تم دونوں کی زندگی بڑی ہی مطمئن گذرے گی"

مگر اویس محسوس کرتا کہ ان کی تہہ میں کوئی اور جذبہ بھی ہے۔ جسے نہ وہ سمجھ سکتا اور نہ بیان کر سکتا تھا بی اے کا رزلٹ نکل آیا۔ وہ سب لوگ پاس ہو گئے اویس کے ابا نے اُسے یو کے بھجوانے کا فیصلہ کر لیا۔ اویس ناز کا بہت ممنون تھا۔ کیونکہ اُسکے اتنے اچھے مارکس ان کی کیوجہ سے آئے تھے۔

جانے سے ایک ہفتہ قبل وہ ان سے ملا۔

"اویس مت جاؤ اُس دیش کی رنگینیاں ہمارے لوگوں کو اپنے اندر اس طرح جذب کر لیتی ہیں۔ کہ لوگ واپس آنا بھول جاتے ہیں۔ انہیں یاد نہیں رہتا۔ کہ ان کے اپنے دیس میں کوئی ان کا منتظر ہے۔ لوگ لوٹ کے نہیں آتے۔ وہ دیس بہت رنگین ہے" وہ بڑی ہی سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔ پہلے سے کہیں زیادہ"

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

"نہیں ناز ایسی کوئی بات نہیں۔ دو تین سال بعد میں لوٹ آؤں گا" اویس نے بڑے وثوق سے کہا۔

"دو تین سال بہت عرصہ ہوتا ہے" اویس۔ اتنی مدت میں تم سب کچھ بھول جاؤ گے۔ اس دیس کی مٹی۔ یہاں کا خلوص، یہاں کی چاہت۔ تم والدین کو بھول جاؤ گے احباب کو فراموش کر دو گے ان کزن شبنم کو بھول جاؤ گے جو بیچاری تمہیں اس قدر چاہتی ہے۔ اتنا خیال رکھتی ہے۔ تمہارا۔ اور تم کو خیال ہی نہ رہے گا۔ کہ ناز کون تھی" انہوں نے کہا "نہیں ناز میں سارے جہاں کو فراموش کر سکتا ہوں مگر ناز کو کبھی نہیں بھلا سکتا کہ جسنے مجھ اس قابل بنایا کہ میں باہر جا سکوں۔ اس ناز کو میں کیسے بھول سکوں گا۔ جس نے میرے شعور کو روشنی بخشی۔ میرے شعور کو سیدھی راہ پر لگایا۔ میرا شعور جو لوسی کی طرح بھٹکتا پھر رہا تھا۔ پگڈنڈیوں میں کھو چکا تھا۔ اس شعور کو شاہراہ پر چلنا سکھایا رہی شئی کی بات! ناز یقین کریں۔ کہ اس کے جذبے اور خلوص کی شدت میں خوب محسوس کرتا ہوں اس تقدس کو جانتا ہوں جو اس رشتہ کو باندھے ہوئے ہے بھلا میں اس تقدس کو کیونکر بھلا پاؤں گا۔" اویس بڑے جچے تلے انداز میں بول رہا تھا۔

"اچھا جاؤ۔ خدا تمہاری مدد کرے جلدی لوٹ آنا خدا حافظ" انہوں نے کہا۔

اویس نے یو کے جا کر آکسفورڈ میں داخلہ لے لیا۔ اسے اپنا دیس بہت یاد آتا۔ گھر والے یاد آتے۔ شبنم بہت یاد آتی۔ بیچاری لڑکی۔ اس کا اتنا خیال کرتی تھی۔ اب بھی ہر ہفتہ خط لکھتی ہے اسے اور سب سے بڑھ کر اسے ناز یاد آتیں ان کی بے پناہ چاہت اسے بہت تڑپایا کرتی۔ وہ اس خلوص کو بہت یاد کرتا۔ ان کی باتیں بہت یاد آتیں۔ ان کی بادامی آنکھیں۔ بیک کو میڈیال اور سنجیدہ۔ ماسلونا چہرہ ہر دم اسکی آنکھوں کے سامنے رہتا۔ مگر وہ ہمت باندھے پڑھائی میں لگا رہا۔ آنرز کا امتحان اس نے امتیازی حیثیت سے پاس کر لیا پھر ایم اے کیا۔ اور وطن لوٹ گیا۔ گھر والے بیحد خوش ہوئے۔ شبنم کی خوشی کی تو انتہا نہ تھی۔ وہ کہنے لگی۔ بھیا میں نے بڑی پیاری سی بھابی ڈھونڈ لی ہے۔ پھر اب تو تم بہنا کا پیار و خلوص بھول جاؤ گے۔ کبھی ملنے بھی نہ آیا کرو گے اب تو"

اویس نے ناز کا پوچھا تو بولی کچھ عرصہ تو بہت غمگین رہی۔ ایک دن ہم ان کے گھر بھی گئے تھے۔ بیٹھی رو رہی تھی۔ فوراً اٹھ کے باتھ روم میں چلی گئیں اور کچھ ہی دیر بعد شگفتہ چہرہ لئے لوٹ آئیں۔ بڑی چاہت سے ملیں۔ مجھ سے اور فریدہ سے باتیں کرتی رہیں۔ جب میں نے ان کو بتایا۔ کہ اویس کے آتے ہی اسکی منگنی فریدہ سے کر دیں گے۔ تو اداس سی ہو گئیں۔ مگر پھر فوراً مسکرا پڑیں۔ تمہارا بہت پوچھتی تھیں آج کل تو وہ لاہور کالج برائے خواتین میں ہیں۔ تمہارے جانے کے تین ماہ بعد ہی چلی گئی تھیں"

کچھ دن بعد اویس اور فریدہ کی منگنی ہو گئی اور اسی رات وہ لاہور روانہ ہو گیا۔ صبح دس بجے ان کے کالج جا پہنچا۔ بوڑھی سی وارڈن سے ملاقات ہوئی جاتے ہی اس نے ان سے اظہار مدعا کیا۔

آپ کا نام اویس ہی ہے نا؟ وارڈن نے پوچھا جی ہاں۔ اویس نے جواب دیا۔

میں جانتی تھی کہ تم اویس ہی ہو گے۔ اور تو کوئی ناز سے ملنے آتا ہی نہیں کبھی آپ کچھ دیر انتظار کریں وہ ذرا لیڈی میکلیگن کالج گئی تھیں۔ ابھی آ جائیں گی۔ جب بھی باہر جاتی ہیں۔ مجھ سے کہہ کے جاتی ہیں کہ اگر کوئی ملنے آئے تو اسے بٹھا لیں۔ جانے مت دیں۔ نہ معلوم وہ واپس آئے کہ نہ آئے۔ شاہد اسے آپ کا انتظار تھا۔

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

اتنی مدت سے۔ آپ کے متعلق بہت باتیں کیا کرتی تھیں"
وائڈن نے چائے منگوا کر اُسے پلائی اور اُس سے
انگلستان کی باتیں پوچھتی رہیں۔ اتنے میں ناز آ گئیں
کمرے میں قدم رکھتے ہی ششدر سی رہ گئیں۔
پھر بھاگتی ہوئی اُسکی جانب آئیں، بڑی اچھی طرح سے ملیں
اور اُٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گئیں۔
وہاں بیٹھتے ہی اسکی انگلی میں انگوٹھی دیکھ کر بولیں۔
"مبارک ہو ادلیس فریدہ بڑی پیاری لڑکی ہے
اُسے خوش رکھنا۔ ہاں یہ کہو، کب واپس آئے"
"جی، کوئی ہفتہ بھر ہوا ہے" اُس نے بتایا۔
"منگنی کب ہوئی؟
"جی کل ہی ہوئی ہے" اُس نے آہستہ سے بتایا
اب پھر کیا ارادہ ہے؟"
"کہیں جاب ڈھونڈوں گا۔ اور اب کیا کرنا ہے"
"تم ڈاکٹریٹ کیوں نہیں کر آتے۔ زیادہ مناسب جاب
ملجائے گی۔ سہولت رہے گی، اور اب تو تمہارے لئے دوبارہ
باہر جانا اور بھی آسان ہوگا" انہوں نے بڑا ہی مخلصانہ مشورہ
دیا۔

"نہیں ناز۔ میں وہاں بہت اداس رہا ہوں۔ سب
لوگ بہت یاد آتے رہے۔ ہر لمحہ واپس آنے کو جی چاہتا
تھا۔ اور پھر شبی کے خط تو مجھے اور بھی واپس آنے پر
اُکساتے تھے۔ اب نہیں جاؤں گا۔ پہلے باہر گیا تھا۔
تو آپ اتنی دور چلی آئیں۔ اب کی مرتبہ گیا تو آپ
نجانے کتنی دور چلی جائیں۔ میں نہیں جاؤں گا۔"
مگر انہوں نے دلائل سے ادلیس کو دوبارہ انگلستان
جانے پر آمادہ کر لیا۔ وہ دو دن رہ کر واپس آ گیا۔
امی اور شبنم نے ادلیس سے اس آئندہ پروگرام پوچھا۔
ادلیس نے کہا "جلدی واپس جاؤں گا۔ ڈاکٹریٹ کے لئے"
"کب تک؟"
"یہی دو ایک ماہ تک چلا جاؤں گا"
"واپسی کب ہوگی؟ شبنم نے پوچھا
"دو تین سال لگ ہی جائیں گے" ادلیس نے کہا۔
پھر کچھ دن تک رات کو گھر والوں کی میٹنگ ہوتی رہی
اور ایک دن شبنم نے ادلیس کو بتایا کہ اگلے ماہ اسکی
شادی طے ہو جائے گی۔

ادلیس نے پاسپورٹ اور ویزا کے لئے کوشش
شروع کر دی کیونکہ گھر والوں کا اصرار تھا۔ کہ فریدہ بھی ساتھ
جائے گی۔ روانگی سے پندرہ دن قبل شادی ہو گئی۔ ناز بھی
آ گئیں بڑی پیش پیش تھیں کام کرنے میں ادلیس ان کو منع
کرتا کہ وہ مہمان ہیں۔ اس لئے کام کرنے کی بجائے آرام کریں
مگر وہ کہہ دیتیں "ادلیس تمہارا بیاہ ہو رہا ہے اور
میں آرام سے بیٹھ جاؤں یہ نہیں ہو سکتا"
انہوں نے فریدہ اور ادلیس کو ڈھیر سا سامان دے ڈالا
ساریاں۔ کپڑے۔ انگوٹھیاں اور پرس وغیرہ کہ انہوں
نے خود بنائے تھے۔ ہر چیز بے حد خوبصورت تھی
شادی کے اگلے دن ان کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔
گھر بھر پریشان پھر رہا تھا۔ ادلیس کا تو بُرا حال تھا۔ اُسے
سمجھ ہی نہ آتا تھا۔ کہ کیا کرے شہر بھر کے ڈاکٹر گھر جمع ہو گئے
شام کو طبیعت ذرا سنبھلی تو ادلیس سے کہنے لگیں "تم
ذرا مجھے سنتھ کے پھولوں کی کیاری تک تو لے چلو"
ادلیس حیران حیران سا ان کو سہارا دیئے لان میں
لے آیا۔ وہ بڑے غور سے ارغوانی رنگ کے پھولوں
کو دیکھتی رہیں۔
پھر بولیں "ادلیس۔ تم مجھے سنتھ کی کہانی جانتے ہو نا"
ادلیس کے دل پر چوٹ سی لگی
"جانتے ہو نا؟ انہوں نے پھر پوچھا۔
"ناز آپ نے بہت زیادتی کی ہے۔ خود پر اور مجھ پر بھی ظلم
کیا ہے۔ بڑی دیر کر دی آپ نے" ادلیس شکست خوردہ

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

لہجہ میں بولا

اویس ایک کام کرو گے؟" ناز نے کہا

"آپ سو کام بتائیں آپ کچھ کہیں تو سہی میں آپ کی خاطر سب کچھ کروں گا۔ آپ صرف کہدیں" اویس بولا

"ریکارڈ پلیئر اُٹھا لاؤ۔

اویس بھاگا بھاگا اندر گیا اور ریکارڈ پلیئر لئے آگیا

وہ گانا لگا دو، وہی جو میں ہمیشہ سُنا کرتی ہوں" انہوں نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

اویس نے کانپتے ہاتھوں سے ریکارڈ پر سوئی رکھدی طلعت محمود اور سدھا ملہوترہ کی غمگین آوازوں نے ماحول کو اور بھی اداس کر دیا۔

ع اکبار تو ملو گلے بچھڑ ہم چلے

"ایک مرتبہ اور!"

اویس حیران تھا کہ ناز کو کیا ہو گیا ہے

کچھ دیر بعد ناز کو پھر دورہ پڑا۔ وہ کرسی پر اوندھی ہو گئیں۔ اویس نے ان کو اٹھا کر گھاس پر لٹایا۔

اویس ریکارڈ پھر سے لگا دو" انہوں نے ٹھہر ٹھہر کر کہا اور مجھے کمرے میں لے چلو!"

اویس جلدی سے ان کا بازو تھامے ان کو کمرے میں لے گیا اور بستر پر لٹا دیا۔ باہر سے ریکارڈ کی آواز آرہی تھی۔

ع یہاں نہیں تو وہاں ملیں گے جنم جنم کے ساتھی

اور تبھی ناز کی گردن ڈھلک گئی۔

اویس چپکا بیٹھا ان کی نعش کو دیکھا کیا۔ کچھ ہی دیر میں سب کو پتہ چل گیا۔ گھر میں کہرام سا مچ گیا۔ قصور ناز کے گھر اطلاع دی گئی۔ اور اگلے دن ٹرک پر اسے قصور لے گئے۔ اور دفن کر دیا گیا اویس وہاں ایک ہفتہ رہ کر دل شکستہ اور مجبور تھا آگیا۔ ویسے بھی اب وہاں کون تھا۔ جو اسے "ایک دن اور" کہکر روکتا۔

اُس نے باہر جانے سے انکار کر دیا۔ مگر سب کے سمجھانے بجھانے پر وہ تیار ہو گیا۔ ویسے بھی یہ ناز کی خواہش تھی کہ وہ ڈائریٹ کرنے واپس جائے۔

اس لئے وہ فریدہ کو لیکر انگلینڈ چلا گیا۔

یہاں آکر اُسنے فریدہ کو خوب خوب گھمایا۔ اُس کا دل کسی شے میں نہ لگتا۔ اُسے کوئی چیز اچھی نہ لگتی مگر وہ فریدہ کے خیال سے دل پر جبر کر کے سیریں کرتا رہا۔ دن تو اچھا گذر جاتا مگر رات کو جب فریدہ بستر پر لیٹتی تو بہت اداس ہو جاتی کبھی اپنے گھر والوں کو یاد کرتی کبھی شبنم کی باتیں ہوتیں اور کبھی ناز کے تذکرے۔

اویس نے کبھی غور ہی نہ کیا تھا۔ کہ فریدہ اور ناز میں اس قدر مشابہت ہے۔ وہی قد۔ وہی چھریرا بدن ویسے ہی Back Combed بال اور ایک سی شربتی آنکھیں فرق اگر تھا۔ تو صرف یہ کہ ناز کے بال سیاہ تھے، فریدہ کے سنہرے۔ ناز کا رنگ سانولا سلونا تھا۔ تو فریدہ گوری چٹی یا یہ کہ ناز ایک لیکچرار اور فریدہ بی اے پاس تھی۔ اور پھر ایک فرق اور تھا کہ ناز مر چکی تھیں جبکہ فریدہ زندہ تھی۔

اویس جب بھی فریدہ کے چہرے کو دیکھتا تو اُسے ناز یاد آجاتیں۔ اُن کی باتیں یاد آتیں۔ ان کا بے پناہ خلوص اور کبھی ختم نہ ہونے والی چاہت اُسے بے طرح سے یاد آکر تڑپاتی۔

آج اُنہیں لندن آئے پندرہ دن ہو چکے تھے۔ اور آج اویس فریدہ کو دریائے ٹیمز پر گھمانے لایا تھا تھوڑی دیر گھوم کر وہ کنارے پر جا کے بیٹھ گئے۔ کچھ دیر تو وہ فریدہ کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ جو کہ گذشتہ ایک ماہ سے اس کا معمول بن چکا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ وقت فریدہ کے چہرے کو تکتا رہتا۔ اور وہ سٹپٹا جاتی۔ گھبرا کر پوچھتی "کیا آپ کو یہ محسوس ہوتا ہے۔ کہ اس کے بعد آپ

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

لے نہیں دیکھ سکیں گے جو اس طرح گھور گھور کے دیکھتے ہیں
تب ادلیس کو احساس ہوتا کہ ناز اور فریدہ دو الگ الگ
شخصیتیں ہیں۔ ناز اس قدر MOTURE تھیں کہ فریدہ
جیسی وہمی اور بچگانہ باتیں کبھی نہ کرتیں۔

پھر وہ چپکے سے کنکریاں اٹھا کر پانی میں پھینکنے لگا
پانی میں فریدہ کا عکس پڑ رہا تھا۔ ادلیس اُسے دیکھنے لگ
گیا اور پھر اُسے یوں محسوس ہوا۔ کہ جیسے یہ ناز ہیں۔
ان کے لب آہستہ آہستہ ہلتے ہوئے نظر آئے۔ ادلیس
کو محسوس ہوا کہ جیسے وہ دھیمے لہجہ میں کہہ رہی ہیں۔
"یہاں نہیں تو وہاں ملیں گے جنم جنم کے ساتھی"
ادلیس کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اور وہ نیچے جھک گیا۔
جہاں سے اُسے آواز آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔
کہ "یہاں نہیں تو وہاں ملیں گے جنم جنم کے ساتھی"
اور وہ لپک کر یوں بڑھا جیسے ناز کو پکڑنا چاہتا ہو۔
مگر کی آواز آئی تو فریدہ نے چونک کر دیکھا
ادلیس ٹیمز کے گہرے نیلے پانیوں میں غوطے کھا رہا تھا۔

(غیر مطبوعہ)

اردو ادب میں نظم و نثر کے صحیح
انتخاب کے سلسلے میں

ماہنامہ **نقش** کراچی

ایک مستقل ضمانت ہے

آج ہی اپنے قریبی بک سٹال
سے خرید فرمائیے

کون نہیں جانتا

"فنون"

احمد ندیم قاسمی
کی ادارت میں
نکلتا ہے

"فنون"

اپنے قارئین کی خدمت میں ہر سال
دو خاص نمبر
پیش کرتا ہے

"سالانہ نمبر" اور "کسی اہم ادبی موضوع سے
متعلق نمبر"

اب کے
جدید غزل نمبر
پیش کر رہا ہے

جنوری ۱۹۶۹ء میں سالنامہ
جولائی ۱۹۶۹ء میں "جدید نظم نمبر"

پتہ:- ۴۷- انارکلی - لاہور

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

قحطِ وفائے وعدہ و پیماں ہے ان دنوں
زوروں پہ احتیاطِ دل و جاں ہے ان دنوں

مطعون ہیں جو موسمِ گل کے جنوں میں ہیں
متروک رسمِ چاکِ گریباں ہے ان دنوں

آنکھیں ہیں خشک صورتِ صحرائے بے گیاہ
سینہ ہجومِ اشک سے گریاں ہے ان دنوں

یہ رسمِ رفتگاں تھی فراموش ہو گئی
اپنے کئے پہ کون پشیماں ہے ان دنوں

عہدِ عروجِ عشق گیا سر پھیروں کے ساتھ
پوچھو نہ حسن کتنا پریشاں ہے ان دنوں

جن کا لہو سفید تھا وہ سرخ رو ہیں آج
ہے جس کا خون سرخ ہراساں ہے ان دنوں

دیدہ وروں کے گھر پہ مسلط ہے تیرگی
اندھوں کی انجمن میں چراغاں ہے ان دنوں

بدتر ہے جانور سے بھی دانشوروں کا حال
جو سوچتا نہیں ہے وہ انساں ہے ان دنوں

ہر بوالہوس دھنی ہے معتدر کا آج کل
ہر بے ضمیر صاحبِ امکاں ہے ان دنوں

کیسے چھڑاؤں، کیسے لکھوں شرحِ دردِ نو
ہر ایک لفظ زینتِ نذراں ہے ان دنوں

یہ کیسا عہد ہے کہ مری چشمِ خواب میں
نقشِ قدم بھی دیدۂ حیراں ہے ان دنوں

اپنی لگن سے تیرے خیال و وصال تک
جو شہر تھا، کھنڈر ہے، بیاباں ہے ان دنوں

تجھ سے گلہ نہیں ہے کہ تو پھر بھی غیر تھا
مجھ سے مرا وجود گریزاں ہے ان دنوں

ڈرتا ہوں اپنے سانس کی سنتا ہوں جب صدا
دہشت بہت قریب کی جاں ہے ان دنوں

جی چاہتا ہے رُوئے زمیں پر بکھیر دوں
جو درد میری روح میں پنہاں ہے ان دنوں

دامن دریدہ عشق رسیدہ، نظر فریب
یہ کون مثلِ یوسفِ کنعاں ہے ان دنوں

یادوں کے پھول حدِ نظر تک کھلے ہیں پھر
دشتِ فراق رشکِ گلستاں ہے ان دنوں

پتہ:- غوث پورہ - بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

ادیب واثقی

ڈبو گئی جو غمِ زندگی کی لہر مجھے
کہاں تلاش کریں گے یہ اہلِ دہر مجھے

میں لوٹ آیا مسافر نواز صحرا میں
پکارتے ہی رہے ساکنانِ دہر مجھے

رہوں گا مر کے بھی سقراط کی طرح زندہ
میں جانتا ہوں دیا جا رہا ہے زہر مجھے

میں ایک دشتِ جنوں آفریں کا منظر ہوں
نہ راس آئے گی یارو فضائے شہر مجھے

رہِ طلب میں کسے تھا خیالِ سود و زیاں
ترے کرم نے کیا آشنائے قہر مجھے

میں آپ اپنے جنوں کی نہ کر سکا تائید
حضور پینا پڑا مصلحت کا زہر مجھے

ادیب غربت و ثروت کی قتل گاہوں میں
بہر قدم نظر آتی ہے خون کی نہر مجھے

پتہ :- کجل پورہ - بہاول پور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

فرخ درانی

اک عجوبہ ہے دیکھئے جس کو
لوگ پاگل کہیں گے کس کس کو

آج صہبا میں ڈال دو لیس کو
یونہی دو آتشہ کرو اس کو

یوں نہ اپنا بناتے جس تس کو
اب بھلا فائدہ اگر سمجھو

تجربہ ہے کہ سُرخ لب ہیں فریب
مشورہ ہے کہ دیکھ کر کھیسکو

بات صدق و صفا سے بنتی ہے
بات سمجھاؤ میرِ مجلس کو

یوں ستاتی ہے دل کو تنہائی
جس طرح سرد رات مفلس کو

آنے والے نہ آ سکیں شاید
کوئی بہلاؤ چشمِ نرگس کو

چھوڑ فرخ کی بات رہنے دے
کون دل دے گا ایسے بے حس کو

پتہ:- لیکچرار گورنمنٹ کالج - ملتان

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

حسن اکبر کمال (نذرِ فراز)

غزل میں ڈھال کے کیوں محفلوں میں گاؤں اسے
میں بوئے گل کی طرح روح میں رچا دوں اسے

یہ جی میں ہے کہ لبیں اب توڑ کر بتِ پندار
وہ روٹھتا ہے اور میں مناتے جاؤں اسے

گنوا رہا ہوں زمانے کے خوف سے جس کو
عجب نہیں کہ دوبارہ کبھی نہ پاؤں اسے

صلیبِ غم پہ تو اک عمر سے ہوں آویزاں
یہ میرا ظرف، تڑپتا نظر نہ آؤں اسے

وہ شعر بن کے مرے لب پہ آ ہی جاتا ہے
ہزار چاہا کہ ہر شخص سے چھپاؤں اسے

وہ میرا روحِ غزل، میرا فن، مرا وجدان
میں خود تو بھول نہ جاؤں اگر بھلاؤں اسے

تمام عمر جسے دور رہ کے پوجا ہے
قریب لانے کی کوشش میں کیا گنواؤں اسے

وہ ایک بات جو اب تک نہ کہہ سکا اس سے
چلو غزل کے ہی پیرائے میں سناؤں اسے

حق اس کے حسن کا فن سے مرے ادا نہ ہوا
کمال کیا ہے وہ میں کس طرح بتاؤں اسے

پتہ:۔ 45/0 فریک ہل۔ سکھر

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

نگہت بریلوی

کیا کیا نہ دیا آپ کی یادوں نے سہارا
خلوت میں بھی ہم لوگ رہے انجمن آرا

اِس پر بھی جنوں والوں نے کب حوصلہ ہارا
طوفانِ بلاخیز تھا حالات کا دھارا

قربت میں بھی اکثر ہمیں یاد آتا رہا ہے
وہ لمحہ جو فرقت میں ترے ساتھ گذارا

آنسو تو نہ ہم آپ کی پلکوں پہ کہیں گے
ڈھلکی ہوئی شبنم ہے کہ ٹوٹا ہوا تارا

کچھ رنج تو دنیا نے بھی پہنچائے ہیں لیکن
کچھ اپنے ہی احساس کی شدت نے بھی مارا

ہم کو بھی تو اعزازِ گلستاں کوئی ملتا
ہم نے بھی تو شبنم کی طرح گُل کو نکھارا

وہ تھا کہ گریزاں ہی رہا ہم سے ہمیشہ
تصویر کی مانند جسے دل پہ اُتارا

پتہ: گلڈ انجمن کتاب گھر فریر روڈ سکھر

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

سید رحیم شاہ قریشی الہاشمی

زندگی رقص میں ہے ساغرِ جاں رقص میں ہے
آج قسمت سے جہانِ گذراں رقص میں ہے

در و دیوار ہیں عشرت گہِ ہستی کے نقیب
ذرے ذرے پہ یہ ہوتا ہے گماں رقص میں ہے

مطربِ وقت کے ہونٹوں پہ ہے وہ گیت کہ اب
چاند تارے ہی نہیں کاہکشاں رقص میں ہے

دور تک جلوہ فشاں ہے کوئی بنتِ مہتاب
دور تک ایک تجلّی کا سماں رقص میں ہے

دور تک حسن و محبت کی فسوں کاری ہے
دور تک ایک سنہری سا دھواں رقص میں ہے

عشقِ معصوم کے تقدیس اثر نغموں سے
اب بصد ناز کوئی حسنِ جواں رقص میں ہے

اس سے بڑھ کر بھی کوئی اور خوشی کیا ہوگی
دل ہے مسرور تو اب عمرِ رواں رقص میں ہے

باندھ کر کون یہ آیا ہے گلوں کا سہرا
گلشنِ زیست کا ہر سروِ رواں رقص میں ہے

رحیم اک طرفہ مسرت ہے یہ رسمِ[1] شادی
بعد مدت کے یہ دل اور یہ جاں رقص میں ہے

---

[1] شاہ صاحب سے غزل طلب کی۔ وہ جیسے منتظر تھے شعر کہنے لگے، مقطع آیا، معلوم ہوا، سلیم قریشی کی منگنی کی رسم اس تازگی کا اجیالا عنوان ہے۔ آپ شاہ صاحب کے بڑے صاحبزادے اور میرے عزیز ہیں۔ مدیر

پتہ:- چیئرمین بلدیہ رحیم یار خان

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

نسیم انصاری

ہر ایک لمحہ جو تیری ہی آرزو میں جیئے
اُنہیں زمانہ نے کتنے حسیں فریب دیئے

بھلا دیا ہے غمِ کائنات تک ہم نے
تری نگاہ کے جب بھی چھلکتے جام پیئے

نجانے کب ہو میسّر سکونِ دل ان کو
بھٹک رہے ہیں جو صحرائے غم میں برسوں سے

اداس لمحے یہ کہتے گذر گئے مجھ سے
نہ جل سکیں گے یہاں پر کبھی خوشی کے دیئے

یہ اور بات کہ اپنا سکا نہ تجھے
مگر عزیز ہیں اب بھی وہ غم جو تُو نے دیئے

ہمیں نے کھائے ہیں تیرِ ملامتِ محفل
ہمیں نے ہونٹ تری بزمِ آرزو میں سیئے

کبھی نسیم جو اُن کی گلی سے ہم گذرے
دل و نگاہ نے سجدے قدم قدم کیئے

پتہ۔ مسلم کمرشل بنک رحیم یار خان

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

منور جمیل قریشی

سرِ شاخِ آرزو جب کوئی پھول کھل گیا ہے
غمِ زندگی۔ اچانک مرا دل دھڑک اٹھا ہے

کہیں شدتِ الم سے مرا دل نہ ڈوب جائے
مری سوچ تھک گئی ہے مرا ذہن سو گیا ہے

کسی مصلحت کا اس میں کوئی دخل ہی نہیں ہے
غمِ زندگی نے تجھ سے مجھے دور کر دیا ہے

جسے مدتوں چھپایا تری آبرو کی خاطر
مرے ذہن سے لبوں تک وہی نام آ گیا ہے

مرے سر پہ تیرگی کی کڑی دوپہر رہی ہے
مجھے کب سکونِ خاطر ترے شہر میں ملا ہے

یہی تلخیٔ حوادث مرا دل بڑھا رہی ہے
یہی تیرگی کا صحرا مجھے راس آ گیا ہے

مری الجھنیں زمانہ کبھی کم نہ کر سکے گا
یہی سوچ کر جمیل اب مجھے صبر آ گیا ہے

پتہ:- دہلوی دواخانہ صدر بازار ملتان چھاؤنی

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

رات تیری یاد کا جب ابر برسا دیر تک
دل بڑے ہی زور سے سینے میں دھڑکا دیر تک

تیرے مل جانے کی خواہش جانتا ہوں وہم تھا
پھر بھی تجھ کو شہر کی گلیوں میں ڈھونڈا دیر تک

ہاتھ نہ آیا مرے خوشیوں کا چمکیلا صدف
وقت کے تالاب میں غوطہ لگایا دیر تک

کب تلک میں راستوں کے پیچ و خم میں گم رہوں
کس طرح چلتا رہوں میں آبلہ پا دیر تک

چاند کو بے رنگ کیفیت میں ڈوبا دیکھ کر
رات وہ شہزادہ مجھ کو یاد آیا دیر تک

پتہ:- میڈیکل کالونی بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

نیاز حسین لکھویرا

ہیں سطحِ شعر پہ ابھرا ہوں آفتاب لئے
خلوصِ فکر، شعورِ نظر کے خواب لئے

سخن شناس بھی ہے فن سے آشنا بھی ہے
وہ کل ملا تھا مجھے فیض کی کتاب لئے

سکونِ جسم تو حاصل کبھی ہوا ہی نہیں
ہیں جی رہا ہوں تری قربتوں کے خواب لئے

جھلس رہا ہے جوانی کی کُو میں میرا بدن
تری تلاش میں ہوں گرمیٔ شباب لئے

نظر اُٹھا کہ ترے روبرو میں ٹھہرا ہوں
نیازِ ناز کے مہکے ہوئے گلاب لئے

پتہ :- کچل پورہ - بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

نواب خاں شمیم

کعبہ سے بتکدے سے کبھی بزمِ جام سے
آواز دے رہا ہوں تجھے ہر مقام سے

اُف رے شبِ فراق کے ماروں کی بیدلی
خود ہی بجھا دیا ہے چراغوں کو شام سے

پینے میں لطف ہے کہ مزہ تشنگی میں ہے
زاہد یہ راز پوچھ کسی تشنہ کام سے

وہ بھی تھے دوست ہی مرے جو عمر بھر مجھے
دیتے رہے فریب محبت کے نام سے

دل میں فریب، لب پہ تبسم، نظریں پیار
لوٹے گئے شمیم بڑے اہتمام سے

پتہ :- ادور سیربی اینڈ ار چنبال

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

احمد نعیم جامی

سوچا ہے اب خرد سے بغاوت کروں گا میں
دل کو شریکِ گریۂ راحت کروں گا میں

ہے معبدِ سکوں میں دکھوں کی فغاں کا شور
اب کس طرح سے تیری عبادت کروں گا میں

یہ روح بس گئی ہے روح میں تنہائیوں کی باس
اب شورشِ حیات سے نفرت کروں گا میں

دل گر مئی سکوت کی حدّت نہ سہہ سکا
تم ہی کہو کہ کس سے شکایت کروں گا میں

جامیؔ ستم کے تیر چلاتے ہیں غمگسار
اب کس سے اپنے غم کی وضاحت کروں گا میں

پتہ:- توسط الیٹرن انشورنس کمپنی بہاولپور

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

منور عقیل احمد

☆

دل کو مقامِ شوق سے آگے میں لے گیا
یعنی رہِ حیات میں تنہا ہی رہ گیا!

مایوسیوں کا گھولہ اندھیرا ہے ہر طرف
مہرِ امید، یاس کی بدلی میں کھو گیا

اندازہ میرے غم کا وہ کرتے بھی کس طرح
میں دل کے داغ اُن پہ نمایاں نہ کر سکا

مجھ کو جنوں، خرد سے تعلق کوئی نہیں
میں نے ہر ایک موڑ [illegible] کیا

گم کردہ منزلوں کے نشاں مل ہی جائیں
دشتِ سفر میں ساتھ اگر تم نے دیدیا

پتہ۔ یونائیٹڈ بنک چوک بازار حیدرآگاہی [illegible]

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

اپنے شہر کی ترقی ہم سب کی ترقی ہے

اس لئے ہمیں اپنے فرائض اور حقوق کی پہچان ہونی چاہیے

بلدیہ کی آمدنی میں اضافہ تعمیر و ترقی کی ضمانت ہے

بلدیہ رحیم یار خان کی ہمہ گیر ترقی کے لئے

بلدیہ کو عوام کے تعاون کی ضرورت ہے

اخفائے محصول کی لعنت کا قلع قمع کرنے کے لئے بلدیہ سے تعاون کیجئے

آپ کو معلوم ہے

نفاست اور صفائی ستھرائی بیماریوں کے راستہ کی دیوار ہے

یوں بھی

امانت، دیانت، صداقت اور طہارت اسلام کے پاکیزہ اصول ہیں

صحت و صفائی کی مہم کو کامیاب بنانے میں آپ بھی اسلامی نفاست کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے گھروں اور گلی کوچوں کو صاف ستھرا رکھیں۔

کیونکہ

صاف ستھرے لوگ صاف ستھرا ماحول ہی زندگی کی علامت ہے

وعدہ کریں :- کہ بلدیہ نے حکومت کی ہدایت کے تحت **صفائی ستھرائی اور اخفائے محصول** کی روک تھام کیلئے جو مہم چلائی ہوئی ہے آپ بھی اس میں **بلدیہ** سے تعاون کر کے اپنی اسلامی نفاست پسندی اور حق اندیشی کا مظاہرہ کریں گے۔

سید رحیم شاہ چیئرمین بلدیہ رحیم یار خان

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

جمشید اقبال برنی

رزم بزم

کہاں سے لاؤں بھلا آج رزم کا انداز
بدل گیا ہے مرے دوست بزم کا انداز
ہیولیٰ برق کا ایسا بھر میں آیا تھا
نظر آپ تھا اپنی وہ عزم کا انداز

●

رشید عثمانی

"ہوس و تحقیر"

یہاں افلاس کے ماروں کی اکثر
بڑی تحقیر کرتا ہے زمانہ!
بہت ارزاں ہے ذوقِ زر پرستی
زر و دولت پہ مرتا ہے زمانہ

پتہ:- (۱) برنی ایڈوکیٹ بہادر نگر
(۲) لیبر انسپکٹر بہادر نگر

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

مُرغ و ماہی

رازِ الفت کے پاسباں بنکر
نیندیں اپنی اُڑا کے بیٹھ گئے
وصل کی شب پرستیاں توبہ
شب کا سُرما بنا کے بیٹھ گئے

ہو سکوں جس کو میسّر، غم نہ ہو
دہر میں ایسا کوئی انساں نہیں
گر تری چشمِ کرم ہو چارہ گر
کونسی مشکل ہے جو آساں نہیں

دیکھتا ہوں وہ دلکشی کے سماں
اور نظارے حسین پیدا کر کے
دوستو میں مگن سی رہتی ہیں
وہ بجائے حسین شوہر کے

یہ اُلٹ پھیر ہے زمانے کا
اور تلک کے ہیں رنگ گونا گوں
مرغ بیٹھے ہوئے ہیں انڈوں پر
مُرغیاں کر رہی ہیں کُکڑوں کوں

سرکار اللہ دتہ لودھی

پتہ:- تحصیلدار بہاولنگر

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

انیس قمر

○

گنّا اپنا ہے مزا اپنے ہیں
چینی اپنی ہے کھا نہیں سکتے
کارخانوں کے مالکوں کی قسم
نرخ کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتے

○

وہ گئے ہوں ملک میں جو نوجواں
اُن کو بھی دشنام فوراً بھیجئے
سرد ہو جائے نہ بھی جنگ کی
جانسن جی اور ایندھن بھیجئے

○

عام لوگوں پہ پڑتا ہے جن کا اثر
اُن عوامی مسائل کے حل ڈھونڈیئے
گھی کا نعم البدل ڈالڈا ہو گیا
کوئی آٹے کا نعم البدل ڈھونڈیئے

پتہ :- ایڈیٹر روزنامہ "رہبر" بہاولپور۔

www.caarwan.com
Scanned by CamScanner

ذرا سوچئے تو.....

آپ اپنے گھر میں مرکزی شخصیت کے مالک ہیں

——— اور آپ ہی کی محنت و مشقت سے

آپ کے بیوی بچوں کو ہر قسم کی آسائش میسر ہے

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے کہ اگر ———

آپ کے گھر والے آپ کے سایہ سے محروم ہو جائیں تو اُن کا کیا بنے گا؟

کیا آپنے اتنی رقم بچائی ہے کہ آپ کے بعد آپ کے بیوی بچے باعزت زندگی بسر کر سکیں

اگر نہیں تو اس طرف فوری توجہ آپ کا فرض ہے

ایک ایسا آسان طریقہ ہے جس سے آپکے بعد بھی آپکے عزیزوں کو ضروریاتِ زندگی کیلئے تکلیف نہیں اُٹھانی پڑتی اور آپ فکر فراد سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں آپ کی ہر خدمت کے لئے حاضر ہے۔

یاد رکھئے زندگی کا بیمہ آپ کے بعد بھی آپکے بیوی بچوں کی کفالت کا ضامن ہے

مزید تفصیلات کے

فیلڈ ڈیولپمنٹ آفیسر

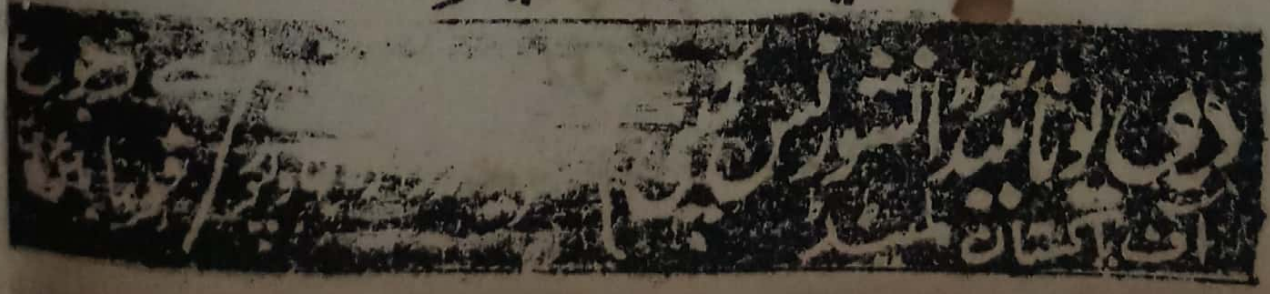

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

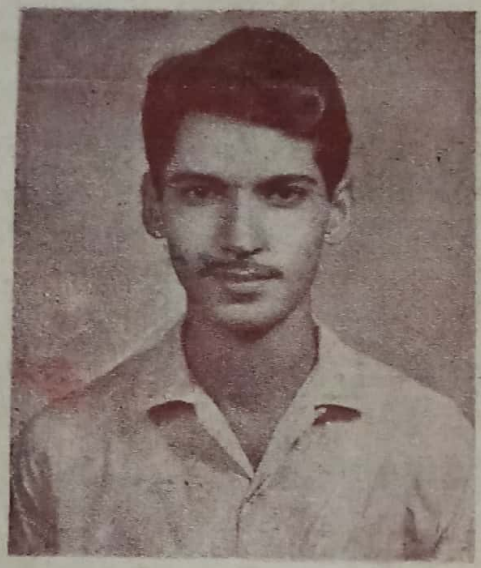

اقبال خالد

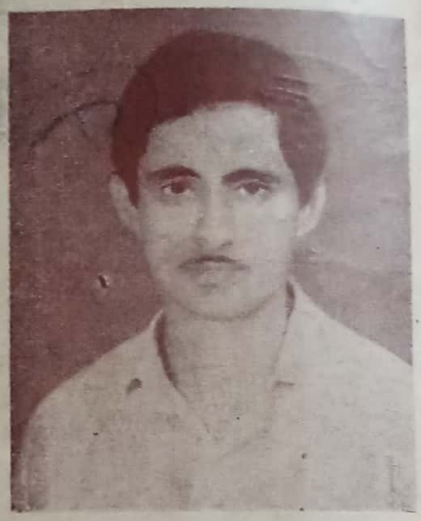

حسن اکبر کمال

نواب خان شمیم

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner

کارواں

سید رحم شاہ قریشی

www.caarwan.com

Scanned by CamScanner